حسن بن صباح

جس میں

فرقۂ باطنیہ کے مفصّل حالات اور جنت ارضی کے

سوانحات نہایت وضاحت و بسط سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی مصنف حسن انجلینا

ملک العزیز ورجنا، منصور موہنا، ورگیش نندنی وغیرہ وغیرہ

باہتمام لالہ کھنیا لال مالک مطبع

کھنیالال اسٹیم پریس آگرہ میں طبع ہوا

حسن بن صباح

ت خان عالم نے اورنگ زیب کے دونون بیٹون کی لڑائی تمہید مین اس ام
ب خوب مثالین دی ہین کہ ایک ہی جگہ سے دو چیزین نکل کر کیسی کیسی مختلف
ن کا نمونہ بنتی ہین ایک سیپ سے دو موتی نکلتے ہین۔ ایک تاج شاہی کو
دیتا ہے اور دوسرا کھرل مین پسکر سرمہ بنتا ہے ایک شاخ پر دو پھول کھلتے ہین
سی خوبرو کے سینے پر پہنچتا ہے اور دوسرا بادِ مخالف سے مرجھا کے گرتا ہے
نے جانے والے اسے پامال کرتے ہین۔ ایک رحم سے دو بھائی نکلتے ہین
لم و تحقیق کے ملاء اعلیٰ پر پہنچتا ہے اور دوسرا جہل و ذلالت کے قعر مین
ہے۔

نیا مین ایسی عبرت انگیز مثالین بہت ہین۔ مگر یہ شخص جسکا نام ہم نے عنوان
ایم کیا ہے۔ شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز اور دل مین ایک خاص قسم کا جوش
نے والی مثال ہے۔ یہ پانچوین صدی ہجری کی ابتدا کا زمانہ ہے کہ امام موفق الد
ن فارس مین مرکز علم بنے ہوئے ہین۔ اور ان کے حلقہ درس مین دور دور سے
آ کے شریک ہوتے اور دولت علم سے بہرہ یاب ہوتے ہین۔ انہین طلبا مین
عجمی الاصل شخص تھے۔ جن مین سے دو کا نام حسن اور تیسرے کا نام عمر تھا۔ ان
اہم بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اسقدر دوستی تھی کہ ہر ایک دوسرے کی ہمدردی
ت روائی کے لئے تیار رہتا تھا۔ ان تینون نے جن مین سے ہر ایک آیندہ

مدارج زندگی میں ایک نامور اور نہ مٹنے والی مثال ہونے والا تھا۔ ایکدن بیٹھ کر آپس
میں معاہدہ کیا کہ ہم تینوں میں سے جسکا جس کو کامیاب و بامراد کرے اور دولتمند
اور جاہ و حشم کے درجے پر پہنچائے۔ اُس کا فرض ہوگا کہ باقی دونوں دوستوں کو
بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے۔ اس عہد کو سب نے جوش و خروش
سے قبول کیا۔ اور مضبوط عہد و پیمان اور قول و قسم سے اس معاہدہ کی تکمیل ہوئی
چند روز بعد اپنی تعلیم پوری کر کے یہ تینوں طالبعلم مدرسے سے نکل گئے۔ اور ہر شخص
دنیا کے وسیع میدان میں قسمت آزمائی کرتا ہوا چلا۔ دونوں جنہوں میں سے ایک
تھوڑے ہی زمانے میں دربار سلجوقی تک پہنچا۔ اس دربار نے بڑی قدردانی سے
کام لیا۔ وزیر اعظم بنا کے ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ میں
دے دی اور ایک معزز خطاب دے کے اِسے نظام الملک طوسی کے نام سے
دنیا میں چمکایا یہی وہ نظام الملک ہے جسکی خوبیوں کا زمانہ ہمیشہ معترف رہے گا۔
اور جس کے فیض و کرم کا ایک نمونہ مدرسۂ نظامیہ بغداد تھا دوسرے طالب علم
عمر کو دنیاوی ثروت تو نہیں حاصل ہوئی۔ مگر عمر خیام کے لقب سے زمانہ میں ایک
زبردست مہندس ایک عالی دماغ فلسفی اور ایک فلسفیانہ شاعر مشہور ہوا جسکی
رباعیات آج تک ہر صاحب ذوق کے ہاتھ میں ہیں جس کا درست کیا ہوا
حساب سنین آج تک پارسیوں کا دینی مسئلہ ہے جس کے خیالات آج یورپ
کے ایک خاص گروہ کا فلسفہ ہیں۔ اور جس کے نام سے لندن میں فی الحال ایک
عام کلب جاری کرایا ہے۔ تیسرا طالب علم یعنی نظام الملک کا ہمنام حسن وہ
حسن بن صباح ہے جسکی ہم اسوقت الف لکھنا چاہتے ہیں۔ اور جس کو
مسلمان وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ اس کا نمبر دونوں ہم سبقوں
سے بڑھا ہوا ہے۔ خود نظام الملک حسن بن صباح کی طبیعت سے واقف تھا۔

ور کہا کرتا تھا۔ کہ عنقریب یہ شخص ضعیف الاعتقاد دل اور عوام کے لوگوں کو بہکا
کے بہت خراب کریگا۔

تمہید ہی میں ایک اور دلچسپ واقعہ کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے
فریمیسری یعنی فراموشن لوگوں کی) سوسائٹی مسلمانوں کو بالکل ایک نئی چیز معلوم
ہوتی ہے۔ موجودہ فریمیشن اپنے اصول کی بنیاد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی
جانب منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت اس وقت تک ہماری
نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اسی قسم
کی ایک عظیم الشان سوسائٹی اسلام کے فرقہ اسماعیلیہ میں قایم ہوئی تھی جس کا
بانی مذہب اسماعیلیہ تھا۔ اور خلفائے فاطمیین مصر سرپرست تھے۔

اسماعیلی مذہب چونکہ اندرونی سازشوں اور رازداری کے طریقے سے قایم ہوا
تھا لہذا اس کے پیرو کار اپنے رموز کو صرف اسی شخص پر ظاہر کیا کرتے تھے۔ جو ان کا ہم
عقیدہ ہو اور ان کی سوسائٹی میں شریک ہو جائے۔ اسی مذہب پر رازداری کی
ضرورت سے سب کے پہلے ایک بہت بڑا لاج (فراموش خانہ) افریقہ کے شہر قیروان
میں قایم ہوا۔ اور چند روز بعد جب مصر کا شہر قاہرہ فاطمیون کا دارالخلافت قرار پایا
ہے۔ تو وہ لاج بھی قیروان سے منتقل ہو کے قاہرہ میں آگیا۔ اس لاج کے
پریسیڈنٹ کا لقب "داعی الدرجات" ہوتا تھا۔ جو فریمیشنوں کے گرینڈ ماسٹر
کا قایم مقام تھا۔ مگر اس گرینڈ ماسٹر کے اختیارات بہت زیادہ وسیع تھے۔ اس
لاج میں ہر ہفتے میں دو صحبتیں ہوتی تھیں۔ جن میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے
تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہوں۔ ان جلسوں میں پوری رازداری سے
کام لیا جاتا تھا اور صحبتوں میں داعی الدرجات بادشاہ یا خلیفہ وقت کے اسرار
رموز کے متعلق لکچر دیا کرتا تھا۔ علامہ مقریزی کا بیان ہے۔ کہ اس لاج کے پہلے

سات ہی درجے (ڈگریاں) تھیں - مگر قاہرہ میں آنے کے بعد نو ڈگریاں ہوگئیں - جن کو حاصل کر کے لوگ اپنے مدارج میں ترقی کرتے - پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے قرآنی مذہب کی دشواریاں اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات و شکوک پیش کئے جاتے تھے اور اس طریقے سے کہ نئے مرید کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے - اُن دشواریوں کے مٹانے اور شبہات کے دُور کرنے کا بیتابانہ شوق پیدا ہو - تب چند معمولی اصول مذہب اسماعیلیہ اُس پر ظاہر کئے جاتے - اور اُس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے معلم یا داعی کی ہر بات کو بے عذر اور بغیر کسی حجت و تکرار کے تسلیم کرے گا -

دوسری ڈگری میں مسئلہ امامت حل کیا جاتا - اور وہ رموز ربانی بتائے جاتے جو امامت سے وابستہ ہیں - تیسری ڈگری میں مذہب اسماعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے - اور اس امر کی تعلیم ہوتی کہ اماموں کا شمار سات ہے اور اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے - چوتھی ڈگری میں یہ بہت بڑا اور اہم راز بتایا جاتا کہ ابتدائے تخلیق عالم سے اُس وقت تک صرف سات ناموس الٰہی یعنی صاحب شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں - ان میں سے ہر ایک نے ماسبق پیغمبر کی شریعت میں ضروری ترمیم کی - ان ساتوں پیغمبروں نے معجز نما قوت بیانیہ تھی - اس لئے کہ انہوں نے زور شور سے اور علی رؤس الاشہاد احکام ربانی ظاہر کر دئے - ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی تھا - جس کا فرض یہ تھا کہ بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اپنے ساتھ والے گویا پیغمبر کی شریعت کو مضبوط کرے - وہ سات ناموس الٰہی یہ تھے -

آدم - نوح - ابراہیم - موسیٰ - مسیح - اور محمد صلعم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسماعیل بن جعفر صادق - اور ان کے ساتھ والے خاموش پیغمبر یہ تھے

شیث ۔ سام ۔ اسماعیل ۔ ہارون شمعون (جس سے بطرس حواری مراد ہے) علی ابن ابیطالب ۔ اور محمد بن اسمعیل بن جعفر صادق رضؓ ۔

پانچوین ڈگری کی یہ تعلیم تھی کہ خاموش پیغمبر نے ترویج دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ داعی مقرر کئے تھے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا تھا ۔ کہ برکت و فضیلت کے لحاظ سے سات کا عدد بارہ کے عدد سے بڑھا ہوا ہے ۔ یہ پانچ نیچے کی ڈگریان تھین جن کی تعلیم مین عقاید اسماعیلیہ بتانے کے ساتھ زیادہ کوشش اس امر کی جاتی تھی کہ مریدکے دل مین اپنے نقیبون اور داعیون یعنی معلمون کی بہت زیادہ وقعت پیدا ہو جائے اور وہ آنکھین بند کر کے ہر امر مین تقلید کرنے لگین ۔ اوپر کی ڈگریون مین زیادہ اہم رموز بتائے جاتے ۔

چھٹی ڈگری مین یہ اصول ذہن نشین کیا جاتا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہین یعنی شرع فلسفہ پر حاکم نہین ۔ بلکہ فلسفہ شرع پر حاکم ہے ۔

ساتوین ڈگری مین اصوات کے رموز اور ان کے قائم مقام حرفون کی قوت بتائی جاتی تھی یا یون کہنا چاہیئے ۔ کہ علم جفر کی تعلیم ہوتی تھی جس مین اصوات و حروف کی قوت سے بڑا کام لیا گیا ہے ۔ اس فن کو وہ ایک بہت بڑا رمز ربانی تصور کرتے تھے ۔

آٹھوین ڈگری مین حرکات و افعال انسانی کا باہمی اتحاد بتایا جاتا اور نوین ڈگری مین یہ آخری سبق ملتا کہ یقین کسی چیز کا نہ کرنا چاہیئے ۔ اور جرأت ہر امر مین اور ہر کام کے لئے ضروری ہے ۔

الغرض جس زمانہ کا ذکر ہم پیشتر کی تمہیدی واقع مین بیان کر آئے ہین ۔ ان دنون مصر مین یہ بڑا اسماعیلی لاج قائم تھا ۔ اور اپنے نقیبون اور داعیون کو ترویج مذہب اسماعیلیہ کے لئے اطراف عالم مین پھیلا رہا تھا ۔ یہ داعی بلاد دور دراز

میں جاکر چپکے ہی چپکے لوگوں پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔ اور اسماعیلیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی نازک زمانے میں حسن بن صباح پیدا ہوا۔ اور اسی دور میں اس کا نشو ونما ہوا۔

وہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدائی میں اضلاع خراسان کے طوس میں پیدا ہوا تھا۔ باپ ایک معمولی شخص تھا۔ اور کسی قدر عسرت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر اپنے نسب کا بڑا دعویدار تھا۔ اور کسی قدیم عربی شہزادے نامور صبّاح حمیری سے اپنے سلسلے کو ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق حسن خود کہتا تھا۔ کہ میں اپنے آبا و اجداد کی طرح مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا پابند تھا اور سات ہی برس کی عمر تھی۔ کہ مذہبی تحقیق اور اصلاح خیالات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر دوسرے لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا باپ مذہب اہل سنت کا پابند تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ حسن بچپن ہی سے اپنے آپ کو محبان اہلبیت میں شامل کرتا تھا۔ خود اس کے باپ نے حسن کو امام موفق الدین کے حلقہ درس میں بٹھایا۔ اور کوشش کی کہ اُسے عام ملکی مذہب کا پابند بنائے۔ اور کیا عجب کہ موفق الدین نے اسکی کوشش بھی کی ہو۔ مگر کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ اس لئے کہ حسن دل سے مذہب شیعہ ہی کو مذہب حق سمجھتا رہا۔ مدرسے میں ہم مکتبوں سے معاہدہ کرکے جب باہر نکلا تو مختلف مقامات میں پھرتا رہا۔ مگر کسی جگہ کامیابی نہ ہوئی اور نہ کوئی ایسا مشغلہ ہاتھ لگا جو اسکی بلند ہمتی کے مناسب ہو۔ غریب الوطنی میں پھر ہی رہا تھا۔ کہ اپنے ہم مکتب نظام الملک کو خلافت وزارت سے آراستہ سنا۔ فوراً اُس کے سلطنہ کو روانہ ہوا۔ اور ملتے ہی ایفاء وعدہ کی درخواست کی۔ نظام الملک نہایت ہی نیک نفس اور پاک طینت لوگوں میں تھا۔ اُس نے حسن کو اپنے پاس بٹھایا اور بادشاہ سے ملا کے فوراً ایک بہت بڑے اور اپنے برابر کے عہدے پر ممتاز کرا دیا۔

مگر افسوس کہ حسن جن خیالات کا آدمی تھا۔ اُن کی تکمیل نظام الملک کے باختیار رہنے میں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لئے تو ایسے اختیارات چاہیئے تھے۔ جن میں اور کسی کی شرکت ہی نہ ہو۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ خود اپنے محسن الملک کے گرانے کے درپے ہو گیا۔

ایک دن ملک شاہ نے نظام الملک سے پوچھا کہ تم ایسی ایک مکمل رپورٹ کتنے دنوں میں تیار کر سکتے ہو جس سے تمام قلمرو کے محاصل و مخارج کی تفصیلی حالت معلوم ہو جائے۔ یہ عظیم الشان سلطنت تھی جس کے حدود روم و مصر سے لے کے خراسان تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس زمانے میں جبکہ دفاتر کل کے سے صاف اور مرتب نہ تھے۔ ایک فہرست کا بنا لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ انہیں دشواریوں کا خیال کر کے نظام الملک نے کہا۔ "دو سال میں"۔ لیکن حسن بن صباح نے جو اس وقت حاضر دربار تھا۔ اور سارے واقعہ کو آنکھ سے دیکھ چکا تھا۔ بڑھ کے کہا۔ مگر میں ایسی فہرست صرف چالیس دن میں تیار کر سکتا ہوں۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا۔ اور نظام الملک خاموش رہ گیا۔ امتحاناً بادشاہ نے یہ خدمت حسن کے سپرد کر دی۔ ۴۰ دن گذر گئے۔ اور حسن اپنی رپورٹ لے کے حاضر دربار ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہو گئی۔ نظام الملک بھی ایک کونے میں کھڑا ڈر رہا ہے کہ دیکھئے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر یہ رپورٹ پسند آ گئی تو میرا پتہ بھی نہ لگے گا۔ ملک شاہ نے رپورٹ کو دیکھ بھال کے بعض جزئیات کو حسن سے پوچھنا شروع کیا۔ اور ایسے سوالات کئے کہ حسن سکوت کا اظہار کر گیا۔ اور بالکل جواب نہ دے سکا۔ نظام الملک کے لئے اس سے بڑھ کر کیا موقع ہو سکتا تھا۔ بڑھ کے دست بستہ عرض کیا۔ "انہیں مشکلات کے خیال سے جن لوگوں کو خدا نے عقل دی ہے کافی زمانہ لگتے ہیں۔ تاکہ اس معاملے کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ اور کسی امر سے ناواقف نہ رہیں۔" ملک شاہ حسن کی

طغرل بیگ کو پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ چکا تھا۔ اب اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی اور سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن کو سزا دے مگر سفارش سے یا خود ہی ترس کھا کے اتنے ہی پر کفایت کی دربار سے نکلوا دیا۔

حقیقت میں یہ پہلی ناکامی ہے جس کے ذریعہ کامیابی ہوئی۔ نہ اُس کا مزاج اور اُس کا حوصلہ جس میدان کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ اوسکو بہت ہی زیادہ وسیع ہونا چاہیے تھا جس جگہ کسی کی ماتحتی اور کسی قسم کے قیود ہوں۔ وہاں کی آب و ہوا میں حسن کے سے آزاد خیال شخص کو ناکامی و رکنا رہجان کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسے لایق اور قابل شخص کا آزادی سے چھوڑ دیا جانا بھی نہایت اندیشہ ناک امر تھا۔ اور خصوص اُس زمانے میں جبکہ مختلف خیالات اور مختلف دعویداروں خصوص قاہرہ کے زبردست لاج کے نقیب اور داعی ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور حکومت اسلام کے دامن میں صدہا سازشیں رازداری اور خفیہ کارروائیوں کی ہو رہی تھیں اکثر ملنے جلنے والوں کا ظاہری مذہب کچھ اور ہوتا اور حقیقی مذہب کچھ اور۔

اس قسم کی دعوت کرنیوالوں یا آجکل کی اصطلاح میں کہا جا سکے گا کہ مشنریوں کا ابتدا اسلام میں بنی اُمیہ دمشق کے آخری عہد سے پڑی تھی۔ جب کوئی ظاہری قوت بنی اُمیہ کا زور نہ توڑ سکتی تو بنی ہاشم نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے معتقدوں اور طرفداروں کو داعی اور نقیب کے لقب سے دنیا میں پھیلانا شروع کیا۔ جو ہر جگہ جا جمے تھے بظاہر تو سلطنت کی اطاعت کرتے اور باطن میں لوگوں سے بنی ہاشم کے لئے بیعت لیتے۔ اس قسم کے ہزارہا داعی اور نقیب خراسان سے شام تک پھیل گئے۔ جنہوں نے اندر ہی اندر بقول ہمارے مفتنوں کے ایک بھک سے اڑ جانے والا مادہ پیدا کر رکھا تھا۔ کہ اس میں ایک ذرا سی چنگاری کے پڑتے ہی

ایسا بڑا زبردست زلزلہ آیا جس نے بنی اُمیّہ کی سلطنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اب بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں بنی فاطمہ دعوائے مخالفت تھا۔ جو ان کے زیر کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لانے کے لئے انتہا سے زیادہ بے چین تھے اور خرابی یہ تھی۔ کہ ان میں بھی باہم اتفاق نہ تھا۔ متفرق سرآوردگان بنی فاطمہ مختلف مقامات میں دعویٰ دار امامت و خلافت تھے۔ قاعدے کی بات ہے کہ جہاں کوئی تدبیر ایک دفعہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ پھر سب لوگ اُسی پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں لہٰذا سب ہی نے اپنے اپنے داعی مقرر کر کے پھیلا دیئے۔ بنی فاطمہ اگر سب مل کے کسی خاص شخص یا ایک امام کے لئے کوشش کرتے تو ممکن نہ تھا۔ کہ کامیابی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ باہم اختلافات تھا اور ایک نقیب و داعی دوسرے کو برا اور باطل بتاتے تھے۔ لہٰذا ہمیشہ یہ ہوا کہ ایک کی کوشش نے دوسرے کو توڑا اور بنی عباس کے مقابلہ میں کبھی کوئی ایسی مجموعی قوت نہیں قائم ہونے پائی جیسی کہ بنی اُمیہ کے خلاف قائم ہو گئی تھی۔

خیر کامیابی و ناکامیابی سے تو بحث نہیں۔ مگر یہ ضرور تھا۔ کہ ہر جگہ انہیں بزرگوں اور اماموں یا اُن کے طرف داروں کے نقیب پھیلے ہوئے تھے اور ہر شخص کو اپنے امام کا مرید و معتقد بناتے رہتے تھے۔ خصوصاً اسماعیلیہ مصر کے نقیب اور داعی گو بظاہر بنی عباس کی اطاعت کرتے مگر باطن میں شام سے لے کے خراسان تک ہر جگہ اثنا عشری پھیلا رہے تھے۔ ایسی حالت میں کسی شخص کا بے سر و پا چھوڑ دیا جانا ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ آج کل کسی بے روزگار آوارہ گرد کے لئے ڈر ہے۔ کہ جلاوطن کرنے والی کمپنیاں کسی نوآبادی میں نہ پہنچا دیں۔ یا عیسائی مشنری کچھ لالچ دلا کے کرسچین نہ بنا لیں۔

ملک شام کے دیار سے نکل کے حسن بن صباح اصفہان پہنچا۔ اور وہاں کے

رئیس اور مجسٹریٹ ابوالفضل کا مہمان ہوا۔ ابوالفضل نے بڑی خاطر مدارات کی۔ مگر ایک دن حسن کی زبان سے یہ جملے نکلے کہ وہ اگر دو تین باتیں سچے دوست سے مل جائیں۔ تو سلجوقی قوت کو توڑ دوں۔" سمجھا کہ نیا مہمان شاید دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اپنی بحالت میں حیثیت کے ساتھ اس زبردست سلطنت کے مٹانے کا دعویدار ہے۔ جو شہر حلب سے کاشغر تک پھیلی ہوئی ہے۔ ابوالفضل کو حسن کی دیوانگی کا یہاں تک یقین تھا۔ کہ ایک طبیب کو بلا کے اس کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد ان ناداں تیمارداروں سے چھپا چھپا کے حسن بن صباح آوارہ گردی کرتا ہوا چلا۔ اور ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا اور آخر وہی ہوا جس کا ہم نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ یعنی اسے ایک رفیق ملا جس نے انتہا سے زیادہ دوستی بڑھا کے اور خلوص پیدا کر کے ظاہر کیا۔ کہ مذہب اسماعیلیہ سے بہتر کوئی مذہب نہیں اور خلفائے مصر ہی وہ اصلی اور حقیقی امام ہیں۔ جنکی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حسن کو ایک فلسفیانہ کا اور آزاد مشرب آدمی پا کے اس نے اپنی دعوت کو اس طریقے سے شروع کیا کہ طریقہ اسماعیلیہ بالکل فلسفیانہ مذہب ہے۔ حسن نے اتنی کمزوری نہیں دکھائی کہ اس اسماعیلی دوست کی ہر بات کو تسلیم کرنے بلکہ طالبانہ طریقے سے بحث کرنے لگا۔ اور دونوں دوستوں میں شب و روز انہیں مسائل و عقائد پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ حسن اگرچہ آخر تک اس دوست سے جھگڑتا رہے۔ مگر دل ہی دل میں معترف ہوتا جاتا تھا۔ اور چاہے زبان سے نہ اقرار کرے۔ مگر دل میں قائل ہو گیا تھا۔ اس رفیق سے جدا ہونے کے بعد حسن بیمار پڑ گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ بچھونے پر پڑا موت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اس حالت میں گزشتہ واقعات اسکی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اسماعیلی دوست کے دلائل بار بار اسے یاد آتے تھے۔ اور دل میں کہتا تھا

بیشک مذہب اسماعیلیہ برحق ہے - اور خدا نخواستہ مین کہین لوہین مرگیا تو باطل پر مرون گا اور حق کے اختیار کرنے سے محروم رہ جاؤن گا" الغرض اس بیماری نے اسے ایسا کر دیا تھا کہ اب جو شفا پا کے اوٹھا تو خود ہی کسی داعی اسماعیلیہ کی جستجو کرنے لگا -

تھوڑے ہی زمانے کی جستجو مین ابو نجم سراج نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملا اور اُس سے دوبارہ عقائد اسماعیلیہ کو دریافت کیا - اور اُن پر غور کر کے دل ہی دل مین معترف ہو گیا کہ یہ باتین جھوٹ اور باطل نہین ہو سکتین - حسن کے دل نے ہر عقیدے اور ہر مسئلہ کی فلاسفی خود ہی دریافت کر لی - اب صرف اتنا ہی باقی رہ گیا کہ وہ علانیہ اس مذہب کا اعتراف کرے جسکی وہ تیاریان کر ہی رہا تھا - کہ مومن نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملاقات ہوئی جس کو داعی ہونے کی عزت حاصل تھی - اس کو داعی عراق شیخ عبدالملک بن عطاش نے اپنے اسماعیلی لاج کی دعوت اور اسماعیلیت کا مشتری بننے کی سند و اجازت دی تھی - اس شخص سے ملتے ہی حسن نے کہا " زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہین - مجھے آپ بلا تامل اپنے گروہ حق مین داخل کر لیجئے بس یہی وقت ہے جب سے حسن بن صباح تمام اصول شیعیت کو چھوڑ کے مذہب اسماعیلیہ مین شامل ہوا - یہ طریقہ اختیار کئے ابھی اسے زیادہ زمانہ نہین گذرا تھا کہ خود شیخ عبدالملک داعی عراق سیر کرتے ہوئے آئے - جہان حسن اُن کی صحبت مین پہنچا - اور اُس کے چال چلن - اسکی ذہانت و دانائی - اس کی مستعدی سرگرمی کو دیکھ کے اونھون نے اسے بھی دعوت اسماعیلیہ اور مذہب حق کا مشتری بننے کی اجازت دے دی - اور کہا کہ "گو مین نے تم کو اجازت دے دی ہے - مگر مناسب ہو گا کہ تم مصر مین جا کے امام زمانہ خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت سے بھی شرف یاب ہو لو" اس نصیحت و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ شیخ مذکور عراق واپس جاتے ہی حسن نے

سفر کی تیاریاں کر دین۔

اتنے ہی دنوں مین حسن کی لیاقت و ہوشیاری کی اسماعیلیہ مذہب والون مین اس قدر شہرت ہو چکی تھی۔ کہ مصر مین اُس سے پہلے اس کا نام پہنچ چکا تھا۔ اور اسکی تعریفین ہو رہی تھین۔ المستنصر باللہ نہایت ہی اخلاق اور مروت سے ملا۔ بڑی قدردانی کی۔ نہایت ہی معزز حیثیت سے اپنا مہمان بنایا۔ لیکن خلیفہ یا امام کی توجہ والتفات ہی نے حسن سے دشمنی بھی کی۔ اس لئے کہ دیگر مقربین بارگاہ امامت کو حسد معلوم ہوا۔ جن سے بدر جمالی جو عساکر خلافت کا کمانڈر انچیف تھا وہ تو جان ہی لینے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر حسن کو چند افرنجیون کے ساتھ ایک جہاز پر چڑھوا دیا جو اسیوقت روانہ ہو کے ساحل افریقہ کو جانے والا تھا۔ حسن کا کوئی زور نہ چلا۔ اور موجین اسی سمندر مین بہا لے گئین۔ بدقسمتی یا خوش نصیبی سے سمندر مین ایک سخت طوفان آگیا جس نے جہاز کو اسقدر صدمہ پہنچایا کہ کسی کو بھی زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ حسن کی کامیابیون کی ابتدا اکثر ناکامیون اور بدقسمتیون سے ہوتی رہی تھی۔ یہ طوفان بھی اس کے لئے ایک بڑا ذریعہ ترقی ہو گیا۔ جبکہ سب جہاز والے زندگی سے ناامید مایوسی کے ساتھ ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حسن کے ہوش و حواس بجا تھے۔ اوسکا دل اوس کے قابو مین تھا۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئی تدبیر سوچ رہا تھا اس نے طوفان پر ذرا بھی ہراس ظاہر نہ کیا۔ اور لوگون سے معجز بیانی کی شان اور خدارسی کی آن بان سے کہا "مگر میرے نزدیک تو اندیشہ کی کوئی بات نہین خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہ ڈوبینگے" لوگون نے حیرت سے اسکی صورت دیکھی اور کیا عجب بعض اس بیفکری پر اوسوقت ہنس بھی پڑے ہون مگر تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان جاتا رہا اور پانی مین سکون ہو گیا تو سب دوڑ دوڑ کے اُس کے قدمون پر گر پڑے اس کے خاص اور مقبول بندۂ خدا اور ایک بڑے زبردست ولی ہونے پر ایمان لے آئے اور سب نے دعوت اسماعیلیہ

قبول کر لی۔ حسن کے مخالفوں کے ساتھ آجکل کے مورخوں کا یہی خیال ہے۔ کہ حسن نے یہ سمجھ کے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا۔ تو تکذیب کرنے والا دنیا میں باقی ہی نہ رہیگا۔ اور اگر بچ گئی تو پھر کسی کو میری ولایت میں شک نہیں رہیگا۔ بہرحال جو کچھ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور جہاز میں کوئی نہ تھا جو اُس کا معتقد و معترف نہ ہو۔

چند روز کے بعد جہاز ایک ساحل پر پہونچا جہاں کا فرمانروا عیسائی تھا اُس نے جہاز والوں کو سپاہی نہیں بلکہ ایک راہبانہ گروہ کے ہاتھ میں دیکھ کے شیخ حسن صبّاح کی دعوت کی اور بلطف و مہربانی رخصت کیا۔ یہاں سے چلکے چند ہی دنوں میں جہاز سواحل شام سے آلگا۔ یہاں پہنچتے ہی حسن نے جہاز کو چھوڑ دیا۔ اور خشکی ہی خشکی ایران کی راہ لی۔ اس سفر میں حلب۔ بغداد۔ خراسان۔ اصفہان۔ یزد و کرمان غرض ایشیا کوچک اور ایران کے تمام مشہور بلاد و امصار میں گیا۔ اور ہر جگہ مذہب اسماعیلیہ کی منادی کرتا رہا۔ کرمان سے وہ پھر اصفہان میں واپس آیا جہاں چار مہینے ٹھر کے خوزستان گیا۔ یہاں تین مہینے قیام کر کے دامغان کی راہ لی۔ وہاں تین سال تک دین اسماعیلیہ پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ اپنے معتقد بنا لئے۔ اُس کے بعد پھر اور بہت سے مقامات میں پھرتا پھراتا قلعہ الموت میں پہونچا۔ اور وہاں قیام جمادیا۔

الموت شہر قزوین کے علاقہ میں صوبہ رودبار کا ایک قلعہ تھا جس سے اُس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ قلعہ پہاڑوں کے اندر نہایت بلندی پر اور سخت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ سلاطین دیلم میں سے ایک بادشاہ کو شکار کا بیحد شوق تھا۔ اتفاقاً وہ ایک مرتبہ شکار کھیلتا ہوا اس دشوارگذار مقام کے نیچے آ پہونچا۔ وہاں سے باز کو چھوڑا تو وہ شکار مار کے عین اس قلعہ کے مقام پر آگرا۔ بادشاہ اور ہمراہی دوڑتے ہوئے پہنچے۔ اور

یہاں پہنچ گئے۔ دیکھا تو ایک عجیب محفوظ اور دلچسپ تختہ نظر آیا۔ جس سے زیادہ مضبوط قلعہ کسی جگہ نہیں بن سکتا۔ پس اسی وجہ سے اس نے یہاں ایک عالیشان قصر قلعہ کی شان سے تعمیر کرایا اور اس کا نام "الموت" رکھا۔ دیلمیوں کی اصطلاح میں یہ ایک خاص کلمہ تھا جس پر شکاری طیور بسیرا لئے جاتے تھے چونکہ اسی کلمہ کو چلا چلا کے کہتے ہوئے لوگ یہاں پہنچے تھے۔ لہذا یہی نام رکھ دیا۔ جو چند روز کے بعد الموت ہو گیا۔

حسن بن صباح نے یہاں چند روز رہ کے اور بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنا کے یہاں کے تعلقدار اور مالک سے ملاقات کی جس کا نام مہدی تھا۔ اور ایک فاطمی شخص تھا۔ چونکہ یہ بھی اسکا معتقد تھا۔ لہذا نہایت ہی ادب سے اور حسن عقیدت سے دست بوسی کی۔ حسن نے کہا "یہ جگہ ایسی کنج میں اور ایسی عمدہ محفوظ گھاٹی میں واقع ہوئی ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ ہے اور ہم خلوت گزینوں کے مذاق کے بہت موافق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اتنی زمین جتنی کے ایک چمڑے کے اندر آجائے مجھے مرحمت ہو۔ اس کی قیمت میں میں تین ہزار روپئے کو موجود ہوں" یہ کہہ کے اس نے درہموں کی تھیلی مہدی کے سامنے رکھ دی۔ مہدی نے یہ ظاہر نفع دینے والی تجارت دیکھی اور ایک بزرگ کے قلعے میں رکھنے میں کوئی مضائقہ بھی نہ نظر آیا۔ روپیہ لے لیا۔ اور اپنی منظوری سے شرائط بیع پوری کر دی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ حسن نے ایک بیل کی کھال کی مہین مہین دھجیاں کاٹ کر ایک میں جوڑی اور اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ سارا قلعہ اس کے اندر آگیا۔ تو بہت گھبرایا۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ کیونکہ بیع پوری ہو چکی تھی۔ حسن کے مریدوں کے ساتھ تمام خوش عقیدہ مسلمان

ایک دولتمند شخص کے مقابلہ مین ایک خدا شناس اور نیک نفس زاہد کی تائید ضروری سمجھتے تھے - الغرض اس طریقہ سے قلعہ المُوت حسن کے ہاتھہ مین آیا -

بعض دیگر اور معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے اس قلعہ پر یون نہین بلکہ ایک اور طریقہ سے قبضہ کیا - وہ یہ کہ خود مہدی فاطمی اور تمام اہل الموت جب اوس کے معتقد ہو گئے اور حسن کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے حکم سے کوئی سرتابی نہ کرے گا تو ایک دن قلعہ پر چڑھا چلا گیا - اور مہدی کے سامنے جا کے کہا کہ نکلو اور یہ قلعہ خالی کر دو؟ مہدی محض ایک مذاق خیال کر کے ہنسنے لگا - مگر جب وہ اپنی جگہہ سے نہ اوٹھا - تو حسن نے لوگون کو اشارا کر کے کہا کہ مہدی کو نکال دین - اس اشارے کے ساتھہ ہی سب نے اُسے قلعہ سے نکال کے دامغان مین پہونچا دیا اور اس کے مال و اسباب کو بھی اُس کے پاس بھجوا دیا - پھر تو قلعہ پر حسن قرار پا گیا اور ساری کارروائیون کا صدر مقام یہی تھا -

حسن اب اس قلعہ مین بیٹھے بڑے استقلال اور لیاقت اور جفاکشی سے اپنے مذہب کو دنیا مین پھیلانے لگا - اُس نے اگرچہ آخر تک آپ کو فاطمیین مصر کا معتقد اور خیر خواہ نیز دار ثابت کرنے کی کوشش کی - لیکن حقیقت مین وہ برائے نام اور پالیسی ہی کی غرض سے اُن کا اقرار کرتا تھا ور نہ اسماعیلیین اُس نے کچھ بہت کم مصری نوکریان بھی اُس نے ساتھ ہی رکھین - اصل مین وہ ایک نئے مذہب کو پھیلا رہا تھا جس کا بانی یا مجتہد جو کچھہ کہئے وہ خود ہی تھا - حسن کے مرید علاقہ رودبار قزوین مین روز افزون بڑھنے اور پھیلنے لگے - نہی تبلیغ اور دینداری کے لباس مین چپکے چپکے اسماعیلیون نے سارے رودبار کی حکومت بھی اپنے ہاتھ مین لینا شروع کر دی مختلف

جگہ اس کے عالی حوصلہ معتقدون نے قلعے بنائے اور خاص قلعہ الموت کے گرد بڑے بڑے عالیشان محل اور باغ تعمیر ہوگئے الغرض یہان تک نوبت پہنچی کہ گردوجوار کے حکمران ڈرنے لگے کہ حسن بن صبّاح کہین سارے ایران پر متصرف نہ ہوجاوے -

جب یہ خبر نظام الملک اور ملک شاہ کو پہنچی تو فوراً فوج کشی کا سامان کیا گیا اور ارادہ ہوا کہ حسن بن صبّاح کا بالکل قلع قمع کردیا جاوے تھوڑے ہی دنون مین نظام الملک کی بھیجی ہوئی فوجون نے قلعہ الموت کا محاصرہ کرلیا - حسن کو اس کا تو ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس مضبوط قلعے کو کوئی فتح کرسکے گا - مگر دشواری یہ ہوئی کہ قلعہ والون کی زراعت بالکل موقوف ہوگئی اور قحط کا اندیشہ پیدا ہوا - ایسی حالت مین حسن نے ایک دوسری تدبیر سے کام لیا وہ یہ کہ اپنے جانباز مرید کو بھیجا کہ جاکے نظام الملک کو مار ڈالے اس وقت ۴۸۵ھ اور رمضان کا مہینہ تھا - نظام الملک خود شاہ کے ساتھ تھا - نہاوند مین ٹھیرا ہوا تھا - اور بغداد جانے کی تیاریان ہو رہی تھین نیک نفس وزیر روزہ افطار کرکے حرم کے خیمون کی طرف جارہا تھا کہ ایک لڑکا مستغیثون کی صورت مین آیا نظام الملک اُس کی باتون مین مشغول تھا کہ لڑکے نے بڑھ کے چھری سے کام تمام کردیا - ملک شاہ کو بڑا صدمہ ہوا اور کچھ ایسے اتفاق پیش آئے کہ مہینہ نہین گذرنے پایا تھا کہ خود بھی مرگیا کہتے ہین کہ اسکا کام بھی حسن ہی کے ایک مرید نے فریب سے جام زہر پلا کے تمام کیا - وزیر اور بادشاہ دونون مرچکے تو الموت کا محاصرہ کیونکر قایم رہ سکتا تھا فوجین واپس گئین - اور حسن بن صبّاح پھر اسی آزادی سے اپنے مذہب کی ترقی و ترویج

مین مشغول ہوگیا۔ نظام الملک کے قتل مین جو کامیابی ہوئی اُس نے حسن کی نظرین دشمنون کے زیر کرنے کے لئے اس طریقہ کو نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت کیا کہ جو سرتابی کرے وہ اسی طرح خموشی کے ساتھ قتل کر ڈالا جائے۔ اور اسی وجہ سے اس نے ایسے جان باز سپاہیون کے فراہم کرنے اور ایک باقاعدہ اور اصولی طریقے سے ان مین اس کارروائی کی پوری لیاقت پیدا کرنے کی کوشش شروع کی یہ ایک ایسا فن جنگ تھا جسکی طرف شاید ابتدائے تخلیق سے اس وقت تک کسی بادشاہ اور مقنن نے توجہ نہ کی ہوگی۔ یہ کام حسن بن صباح سے شروع ہوا اور اسی پر یا اوسکے جانشینون پر ختم ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ انسان بڑی مشکل سے اس قسم کا بن سکتا ہے کہ ایسے ذلیل طریقے سے جان دینے کو اپنا جوہر سمجھے۔ اور پھر اتنا مضبوط کہ جب تک دم باقی ہے اپنے ارادے سے نہ باز آئے۔ حسن کو اس مین پوری کامیابی ہوئی اور مین سمجھتا ہون کہ ویسی کامیابی اور کسی کے لئے محال ہے۔

اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے اُس نے تو پہلے اپنے مذہبی وقعت اور اپنے تقدس کو زیادہ زور دے کر لوگون کے ذہن نشین کرنا شروع کیا کچھ ایسے اقطاب انبیا کی شان سے الموت مین بیٹھا جس سے زیادہ موثر اور باعظمت بنانے والی کوئی حالت ہوہی نہ سکتی تھی۔ کہتے ہین کہ قصر الموت کے کوٹھے پر بیٹھا تو اس طرح پاؤن توڑ کے کہ ۳۰ سال مین صرف دو مرتبہ زینے کے نیچے اُترا تھا۔ وہ وہان تنہا رہتا مخصوصین کے سوا کسی سے ملتا جلتا بھی نہ تھا شب روز روحانی ریاضتین کرتا اور اپنے عقاید کے متعلق تصنیف و تالیف مین مشغول رہتا تھا۔ لوگون سے اصول معینہ مسلمہ شرعی کی پابندی کرانے مین اتنا سخت ہوگیا کہ کبھی کسی شخص کے ساتھ رعایت ہی نہ کی۔ اُس کے مذہب مین جرم اور مذہبی قصور معاف ہے۔ نہ ہو سکتا تھا اور یہی امر ہر شخص اور ہر بچہ کے دل مین

جمایا گیا تھا اس اصول مین اُس نے یہان تک استقلال دکھایا کہ فطری محبت بھی اُس کے دل کو نرم نہ کر سکے۔ اُس کے بیٹے حسین نے بلا تامل قصاص کا حکم دے کر اُس نے قتل کر ڈالا۔ دوسرے بیٹے نے اتفاقاً شراب پی لی جسکو حسن حرام بتاتا تھا جب اس کی خبر حسن کو پہنچی تو اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ ایکدن کسی صاحب اثر شخص نے قلعے کے اندر بانسری بجائی۔ یہ بھی حرام تھا حسن نے اُسے فوراً قلعے سے نکلوا دیا۔ شاید قلعے مین کوئی نہ ہوگا جس نے اسکی سفارش نہ کی ہو۔ مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ اور وہ نکال دیا گیا حسن کی شریعت مین شیخ یا امام کے حکم سے سرتابی کرنے یا اُن کی مذہبی اصطلاح مین یون کہا جائے کہ مسئلہ شرعی سے انحراف کرنے کی سزا قتل تھی اور کسی کے ٹالے نہ ٹل سکتی تھی جس سزا کی تعمیل مذہب کے ساتھ حکومت اور زیادہ زور کے ساتھ کراتی تھی۔

باقی رہا یہ امر کہ اسکی تصدیق مذہبی ذریعے سے ہو۔ اور معتقدون کے دل کو سچائی کا قطعی یقین ہو جائے۔ اس کے لئے حسن کی ایک بالکل نئی اور اچھوتی تدبیر نکالی تھی جسکی طرف کبھی کسی شخص کا شاید خیال بھی نہ گیا ہوگا۔ اور شاید آجتک کوئی شخص اس واقعے کو پڑھ کے بے تعجب کئے نہ رہا ہوگا۔ المونت کے گرد کے سرسبز و شاداب کوہسار مین ایک جنت بنائی گئی تھی۔ وہان کی نظر فریب وادیون اور جان بخش مرغزارون مین عمدہ خوبصورت اور دلفریب مکان برج اور کوشکین تعمیر کی گئین تھین۔ مکانون کا اُجلاپن اُن کی خوشنمائی اور مرغزارون اور باغون کی نزہت و تر و تازگی انسان کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ خوبصورت اور نازک سے نازک لڑکیان ان مکانون مین کثرت سے رکھی گئی تھین۔ کہ ان کی وضع کی سادگی اور اُن کے حسن کی ادائی ایک نظر مین۔ انسان کو یقین دلا سکتی تھی۔ اس عالم کے سوا کسی اور ہی عالم کے نورانی پیکر ہین یہ

جنت کوہستان کے اندر ہی اندر بہت دور تک پھیلتی چلی گئی تھی - جا بجا سے کاٹ کے اسکے اندر نہریں لائی گئیں تھیں - اور کوشش کی گئی تھی - کہ جو شخص اس کے اندر آجائے - اسے ساعت بساعت زیادہ مسرت محسوس ہوتی جائے جس طرح کہا جاتا ہے - کہ ذہن بناتے وقت رازداری کے طریقے سے انسان کے دل پر خوف و دہشت کے بہت کچھ اثر ڈالے جاتے ہیں اور ہر طرح سے اس کو مرعوب بنایا جاتا ہے - اسی طرح یہاں کوشش کی گئی تھی کہ ہر آنے والے مومن کے دل پر جنت کا اتنا اثر پیدا کیا جائے - کہ وہ اس جنت کو دنیاوی نہیں - بلکہ دوسرے عالم سے تعلق کرے - یہاں کی حوریں اور وہاں کے غلمان تمام کارروائیوں کو بالکل رازداری سے کرتے ہیں - تمام چیزیں جو کہ باہر سے فراہم کرنے کی ضرورت ہوتی - اس خوبصورتی سے فراہم کی جاتی تھیں - کہ کسی کو کبھی سراغ ہی نہ لگ سکتا تھا - یہ جنت تھی - جو ایمان لانے والوں کے لئے بنائی گئی تھی - اور جو اکثر معتقدین کی خوش عقیدگی کا مرکز تھی - یہ جنت بنانے کے بعد حسن نے اپنے مریدوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا داعی رفیق اور فدائی داعی جو لوگ تھے جو مشنریوں کی طرح ممالک دور و دراز میں پھیلے رہتے اور خفیہ ہی خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی طرف بلاتے تھے شام سے لیکے کرمان اور سیستان تک شاید کوئی شہر نہ ہوگا - جہاں حسن بن صباح کے داعی ترویج دین کی کوشش نہ کر رہے ہوں - رفیق وہ لوگ تھے - جو مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے اور جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی - مگر سب سے نیا اور سب سے زیادہ خطرناک تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا - یہ وہ لوگ جو حسن کے حکم کی بلا عذر و بلا حجت آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے اور یہی وہ لوگ تھے جن کے ہاتھ سے یہ خونخوار کام کا اجرا پاتا تھا - کہ جس کے قتل کا اشارہ ہوتا - مختلف وضعوں اور لباسوں میں جاتے - رسائی پیدا کرکے اس سے ملتے اور

کے معتقد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی ان کا کام تمام کر دیتے تھے۔ فدائی تھے جنھوں نے حسن بن صباح کو دنیا میں ایک خاص کیرکٹر ثابت کیا ہے اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امرا اُس کے نام سے کانپتے تھے اور یہی تیسرا گروہ تھا جس کے دل پر اپنا پورا اثر ڈالنے کی اسے ضرورت تھی۔ اور اسی کے لئے وادی الموت کی جنت بنائی گئی تھی۔

بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں۔ ان دنوں ایک نامعلوم چیز تھی۔ اور حسن ہی پہلا شخص ہے جس نے ایران و فارس میں سب سے پہلے اس بے ہوش کرنے والی پتی کا پتہ لگایا۔ اور اس نے اس سے کام ہی لیا لیا۔ جیسا کہ شاید کوئی نہ لے سکا ہوگا۔ خوبصورت توانا و تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سیدھے سادے ہوتے اور بہت جلد ایمان لانے کی استعداد و قابلیت رکھتے۔ علاقہ طالقان و رودبار سے منتخب کئے جاتے اور حسن کے دربار میں فدائی بننے کی عزت حاصل کرتے انھیں کو یہ فخر اور یہ درجہ مقبولیت بھی حاصل تھا۔ کہ حسن کے ایک زمانے کی امیدواری و آرزومندی کے بعد انھیں حشیش کے اثر سے خاص اپنے سامنے اس طرح بے ہوش کرتا کہ اُن کے دل میں کسی نشئی چیز کا استعمال کا گمان بھی نہ گزرتا۔ بے ہوش ہوتے ہی خاص ذریعوں اور خاص راستوں سے وہ جنت میں پہنچا دئے جاتے۔ جہاں پہنچتے ہی وہ ہوش ربا اور دلفریب حوروں کی گود میں آنکھ کھولتے اور اپنے آپ کو ایک ایسے عالم میں پاتے۔ جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں اُن کے حوصلہ اور اُن کے خیال سے بھی زیادہ نظر آئیں۔ پُر فضا اور روح افزا آبشاروں جان بخش باغوں اور نظر فریب مرغزاروں میں وہ سیر کرتے حوروں کی صحبت اور ان کی دلربائی کرتی سے ارغوانی جس کے جام غالباً یہاں شراب طہور کا نام سے کے ہاتھ میں دئے جاتے ہوں گے۔ اُن کے دنیاوی افکار

کو جھیلا دیتے۔

الغرض چھ سات روز یا اس سے کم و بیش زمانے مین جب وہ اپنے دنیاوی مصائب کو بھول جاتے اور ان حسین وفا شعار حورون کی محبت کا نقش ان کے دل پر اتنا گہرا پڑ بیٹھتا کہ پھر زندگی بھر کبھی نہ مٹ سکے۔ تب وہی حورین اُسے حشیش کا ایک جام پلا کے ان کو شیخ حسن کے سامنے پہنچا دیتین۔ جہان آنکھ کھول کے وہ اپنے آپ کو شیخ کے قدمون پر پاتے اور بے اختیار قدم چوم کے زبان سے یہ کہتے "مکن بیدار زین خوابم خدارا"

ان کو پھر جنت مین بھیجنے کی امید دلائی جاتی اور انہین لوگون سے یہ ظالمانہ کام لیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے دل پر اتنا مضبوط اثر گذشتہ لذتون کا پڑ چکا اور حورون کی ہمکناری و محبت کی تصویر اس طرح آنکھون کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ کہ حسن کے ہر حکم کی تعمیل مین اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی و مستعدی دکھاتی کہ شاید جنت مین جلدی پہنچنے کا موقع ملے یہ یقینی بات ہے کہ وہ حورین ہر وقت کوشش کرتی ہونگی کہ اُن کے دل کو اپنے ہاتھون مین لین۔ اور یہ یاد دلا کے کہ انہین دنیا مین پھر جانا ہے روز نئے ہزار ہا قسم کے مضبوط وعدے لیتی ہونگی جس طرح بنے جلدی پھر ہم سے ملنا۔ اُن کے فراق مین وہ اپنی بے تابی ظاہر کرتی ہون گی۔ اپنے تئین ان کے وصال کا انتہا سے زیادہ مشتاق بتاتی ہون گی۔

پھر جو شخص کہ ایسے ایسے وعدے کر کے اور ایسی ایسی محبت کی بے تابیان دیکھ کے آتا ہوگا۔ اور پھر یہ بھی یقین رکھتا ہوگا کہ اس عشرت کدہ لازوال مین رسائی یا تو شیخ کے حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے یا مر کے وہ جو کر گذرے تھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہر فدائی ہر وقت جان دینے پر تیار رہتا۔ اور جتنی جلدی اُسے جان دینے کی اجازت ملتی اتنا ہی زیادہ ممنون احسان ہوتا۔

یہ باضابطہ اور جانباز فوج تھی جسکو حسن نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا اثر پھیلانے کے لئے مرتب کیا تھا۔ یہ قوت اور یہ فوج ابھی اچھی طرح مرتب نہیں ہو چکی تھی کہ سلطان سنجر نے جو ملک شاہ کے بعد ایک بڑی اور زبردست سلطنت کا مالک ہوگیا تھا حسن بن صباح کا حال سنا اور اپنی فوج لے کے چلا کہ اسماعیلیہ قوت کا ایران میں خاتمہ کر دے اور ظاہر ہے کہ حسن میں اُس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ اِس طریقہ جنگ کا مرد میدان نہ تھا۔ اس کی ہی کامیابی کے اسباب دوسرے ہی تھے اور اسی قسم کے تھے۔ جس طرح کہ نظام الملک کی جان لے لی گئی تھی۔ حسن نے اس مرتبہ کوشش کی کہ سنجر کو قتل نہ کرے مگر اُس کے دل پر اپنا رعب پوری طرح بٹھا دے۔ چنانچہ خاص سنجر کے کسی غلام کی اور خاص ملازم کو رشوت دے کے یا اپنا معتقد بنا کے اپنا اور اپنے نام کا ایک خنجر دیا کہ اُسے رات کو نہایت خموشی کے ساتھ اور اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ سلطان سنجر کی خوابگاہ میں جا کے اُس کے سرہانے رکھ دے۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا۔ اُس کی تعمیل ہوگئی۔ سنجر صبح کو آنکھ کھولتے ہی وہ خنجر دیکھ کے پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور میری خوابگاہ میں آنے کی کسے جرات ہو سکتی تھی۔ دل میں ڈر کے خاموش ہو رہا۔ اور خموشی ہی کے ساتھ تفتیش کر رہا تھا کہ حسن کا خط پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ۔

"اگر سلطان کو میں اچھا نہ سمجھتا تو وہ خنجر جو سلطان کو اپنے سرہانے کے پاس ملا تھا۔ اُس کے دل میں تیرا ہوا ملتا۔"

اس خط کے پڑھتے ہی سنجر دل ہی دل میں کانپنے لگا اور اس قدر مرعوب ہوگیا۔ کہ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ فوراً شرائط صلح پیش ہوئے اور صرف ان تین شرطوں پر حسن سے صلح ہوگئی۔

(۱) اسماعیلیہ فریق والے اپنے قلعون کے متعلق کوئی جدید فوجی عمارت نہ تعمیر کرین۔

(۲)۔ جدید اسلحہ جنگ یا گولہ اندازی کی کلین (منجنیق) نہ خریدین۔

(۳)۔ اور اس کے بعد سے حسن بن صباح کسی نئے شخص کو اپنے معتقدین اور مرید نہ بنائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ باوجود دوڑ جانے کے سنجر نے اسکی بڑی کوشش کی کہ حسن کی قوت زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ اگرچہ اس معاہدے مین اس نے کو بہت بڑی رعایت تھی کہ شیخ الجبال کے لئے (جس نام سے کہ حسن اب مشہور تھا) محاصل قم کا ایک حصہ بطور وظیفہ کے مقرر کردیا تاہم اُس کو فوجی قوت بڑھانے سے بالکل روک دیا تھا۔ حسن کو بھی ان شرائط کے تسلیم کر لینے مین کوئی عذر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ جس سپاہ سے وہ کام لیتا تھا۔ اوس کو ایک چھری کے سوا نہ کسی حربہ جنگ کی ضرورت تھی۔ اور نہ منجنیقون کی۔ اس کو اب کسی جدید قلعہ کی بھی حقیقت مین ضرورت نہ تھی۔ باقی رہی صرف ایک بات یہ کہ کسی نئے شخص کو اپنا معتقد نہ بنائے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جسکی پابندی بظاہر حسن پہلے ہی سے کر رہا تھا۔ اس لئے کہ بنی فاطمہ کے تمام داعی جن لوگون کو اپنا بنلاتے اور جن سے بیعت لیتے بالکل چھپا کے اگرچہ یہ امر اس عہد مین ہر مرغوب مذہب اور ہر گروہ کے داعیون مین تھا۔ مگر ان لوگون مین ایک عادت کی مثل ہو گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ باطنین کہلاتے تھے یعنی تمام کارروائیان اور کل سازشین پوشیدہ ہی ہوتی تھین۔ اسماعیلیون کا اصول آجتک یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے خوف بھی تقیہ کرتے ہین۔ لہذا سنجر نے ایک ایسی قید لگائی تھی جس کی پابندی حسن اور اوس کے

معتقدین پہلے ہی سے کر رہے تھے۔

ان دنون یہ گروہ چار نامون سے نامزد تھا۔ اسماعیلیہ۔ قرامطہ۔ باطنیہ اور حشیشین اسماعیلیہ وہ عام اصلی نام ہے جو مصر سے لیکے ہندوستان تک تمام طرف داران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لئے مخصوص تھا جن کا دعویٰ تھا کہ امامت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے صاحبزادے اسماعیل پر منتقل ہوئی جن کی نسل مین کئی مخفی اور پوشیدہ ظالمون کے بعد مہدی کو امامت ملی۔ جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا اور اُس کے بعد اوسی کی نسل مین امامت رہی۔ اس نام کے مجاز اصل مین صرف وہی لوگ تھے جو مصر مین تھے۔ یا وہان کے فاطمی خلفا سے بلاواسطے تعلق رکھتے تھے لیکن اُن کے داعیون اور نقیبون نے مشرق مین نئے نئے شگوفے کھلائے۔ وہ ہمیشہ ایک نئے فارم اور نئی وضع مین نمودار ہوتے رہے اور کئی نامون سے نامزد کئے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے انھین فاطمیین کے نقیبون کی طرفداری کر کے خلافت عباسیہ سے بغاوت کی اُس کا لقب قرامطی تہا۔ وہ بظاہر تو فاطمیین مصر کو مانتا تہا۔ مگر حقیقت مین ان لوگون کے نام کے سوا پولٹیکل فائدہ اُٹھانے کے اُس کی اور کوئی غرض نہین آئی۔ اُس کے معتقدین قرامطہ کہلاتے تھے۔ قرامطہ کی قوت یہان تک بڑھ گئی تھی کہ تمام ملک شام کو تباہ کر دیا۔ خاص سادات بنی فاطمہ کی سخت توہین اور بے عزتی کی خانہ کعبہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے۔ اور حجر اسود کو کھود کے عمان مین لے گئے جہان اُن کا مرکز تھا۔ آخر مین یہ خلفائے مصر کی گرفت سے بھی باہر ہو گئے تھے۔ اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اُوٹھا تہا۔ ان کا مذہب بالکل جدا تہا جس کے اصول ان کے مخالفون اور دشمنون

اور جن کی زبانی جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں یہ بے اعتدالی ضرور نظر آتی ہے۔ کہ یا تو اتنی سختی کہ انسان پر پانچ کی جگہ پچاس نمازیں فرض ہیں۔ یا اتنی آزادی کہ شراب تک حلال ہے۔ عقائد بالکل عقلی اصول اور معتزلہ کے شکوک سے لیے گئے تھے۔

یہی مذہب اسماعیلیہ تھوڑے زمانے کے گزرنے کے بعد جب مشرق میں دوبارہ حسن بن صباح کی عجیب و غریب کوششوں سے نمودار ہوا۔ تو بالکل نئے رنگ اور نئی وضع میں تھا۔ اب وہ علانیہ بغاوتیں نہ تھیں۔ بلکہ خفیہ سازش کا بازار گرم ہوا۔ اب یہ لوگ قرامطہ نہ تھے بلکہ باطنیہ اور حشیشین کہلاتے تھے جنکی وجہ تسمیہ بھی اوپر معلوم ہو چکی۔ باطنیہ کہے جانے کا ایک سبب اور بھی تھا جس کو تعلق ان کی ان باطنی سازشوں سے نہیں۔ بلکہ ان کے عقائد سے ہے

اس موقع پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم فرقہ اسمٰعیلیہ کے اختلاف اور ان کے عقائد کو بھی بیان کر دیں۔ اگرچہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا۔ مگر اکثر احباب کو بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ جو اس وقت تک نہیں معلوم طرفداران اہلبیت نبوت اور شیعیان علی مرتضیٰؑ میں پہلا اختلاف امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید کے وقت سے پیدا ہوا۔ حضرت زید کے اصول یہ بتائے جاتے ہیں کہ یوں تو آپ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو سب سے افضل نہیں جائز ہے کہ بمصالح اپنے سے زیادہ برگزیدہ لوگوں پر امام مقرر کر دیا جائے۔ اور اسی بنا پر آپ خلفائے ثلثہ کی خلافت کو جائز اور حضرت علی مرتضیٰ کو سب سے افضل و اعلیٰ بتاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ نہیں جائز تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی نسبت تبرے کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ آپ کے تبعین کا پہلا گروہ جو شیعوں سے علیحدہ ہوا

اور زیدیہ کے لقب سے مشہور ہوا - اور ان میں پھر بعد کو اور بھی تفریقیں قائم ہو گئیں - زیدیہ کے نزدیک امامت بارہ پر منحصر نہ تھی - اور نہ یہ ضرور تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی امام ہو بلکہ جائز تھا - کہ متعدد ائمہ معاصر ہوں اور اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک امامت کے خلعت سے آراستہ ہو - چنانچہ انہوں نے خاندان رسالت کی کئی یادگاروں کو ایک ہی وقت میں امام تسلیم کر لیا -

زیدیہ تو گویا علیحدہ ہو گئے - مگر وہ لوگ جو امامت کو ائمہ اثنا عشر میں یا جناب امام باقر علیہ السلام کی نسل میں لئے آتے تھے اُن میں آگے بڑھ کے ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا - جو پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مستقل تھا - ان لوگوں میں امامت کا سلسلہ اس ترتیب سے آیا تھا کہ علیؓ مرتضی و حسین علیہم السلام کے بعد چوتھے امام جناب زین العابدینؑ پھر آپ کے بعد کے صاحبزادے امام محمد باقرؑ اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہیں دوسرا جھگڑا امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد سے شروع ہوا - آپ کے دو صاحبزادے تھے - ایک اسمعیل جو محمد نام ایک صاحبزادے کو چھوڑ کے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں واصل بحق ہو گئے - اور دوسرے امام موسیٰ کاظمؑ جو کہ سب کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام ہوئے - اور جن کی نسل سے بارہ اماموں کا وہ سلسلہ پورا ہوتا ہے جسکو شیعہ اثنا عشریہ آج تک صحیح اور برحق مانتے ہیں -

اسمعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل چندروز بعد ارض مغرب میں پہنچی اور ایک مدت کی گمنامی کے بعد یہ خاندان اس شان سے اور اس دعوے کے ساتھ نمودار ہوا کہ امام موسیٰ کاظم نہیں بلکہ امام جعفر صادقؑ کے بعد وارث امام اسمعیل تھے اور جب یہ اعتراض کیا گیا تو اسمعیل بن جعفر صادق کا

انتقال تو پدر بزرگوار کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا۔ تو انہون نے جواب دیا۔ کہ امام کی زندگی ہی مین امامت کا دوسرے پر منتقل ہو جانا جائز ہے۔ خاندان کو آخر حکمرانی کا موقع مل گیا۔ اور جب اس کی سلطنت اقصائے مغرب سے لیکے مصر تک پھیل گئی تو اس کے دعوے مین خود بخود زور بھی پیدا ہو گیا۔ اور لوگ کثرت سے پیرو ہونے لگے یہی لوگ اہلی اسمعیلیہ ہین۔ اور انہون نے پہلا اختلاف تو یہ کیا کہ کہہ دیا۔ امامت کے لئے ۱۲ کی قید نہین۔ امام بہت سے ہو سکتے ہین۔ مگر ہان ہر امام کے ۱۲ نقیب ہونے چاہئیں۔ اُنکا دعوی ہے کہ شیعون کی غلطی ہے کہ بارہ کے عدد کو امامون کے ساتھ ملاتے ہین۔ بلکہ یہ عدد نقبا کے لئے مخصوص ہے۔ امامت کے ساتھ وہ سات کے شمار کو ملاتے ہین اور وہ بھی اس طرح کہ یہ ضرور نہین کہ سات پر امامون کا شمار ختم ہو جائے۔ بلکہ کہتے ہین کہ سات سات کے سلسلے رہتے ہین یعنی پہلے سات ہوئے۔ اُس کے بعد پھر سات اور اسی طرح پھر سات اور اسی اصول سے کہتے ہین کہ اسمعیل ساتوین امام تھے۔ اور اُن کے بیٹے محمد کو جدا امام نہین کہتے بلکہ کہتے ہین کہ وہ سابع تام تھے۔ یعنی ساتوین ہی امامت کا انہون نے تکملہ کیا۔ یہ سات تو اُن کے امام ظاہر ہین۔ پھر اُن کے بعد سے تین امام باطن گذرے جو دنیا مین نمودار نہین ہوئے۔ مخفی بیٹھے رہے۔ مگر اُن کے نقیب علانیہ ہدایت خلق اللہ کرتے تھے۔ پہلے نشو بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے حبیب۔ یہ تین امام مخفی تھے۔ ان کے بعد سے پھر اماماں ظاہر سلسلہ شروع ہوا۔ جن مین سب سے پہلا عبد اللہ مہدی ہے۔ جو بانی خاندان فاطمیین مصر تھا۔ چوتھا سعد الملقب بہ المعز لدین اللہ۔ پانچوین نزار الملقب بہ عزیز باللہ۔ چھٹا منصور الملقب بہ الحاکم بامر اللہ۔ ساتوان علی حسین کا لقب

الظاہر ماعزیرالدین اللہ بنیا۔

ظاہر کی خلافت کے زمانے میں چار سال تک تمام انتظام مملکت اسکی پھوپھی بیت الملک کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ابوتمیم معدا الملقب بہ المستنصر باللہ الیسی مستنصر ہے جس سے حسن بن صباح کے ملا تھا۔

ان لوگوں نے یہ عجیب خیال پیدا کیا تھا کہ جب تک امامت مخفی رہتی ہے اوس وقت تک نقابت اور دعوت ظاہر رہا کرتی ہے۔ اور جب امامت ظاہر ہو جاتی ہے تو نقابت اور دعوت مخفی طریقوں سے ہونے لگتی ہے۔ اور یہی پہلی بنیا ہے۔ جس نے اندرونی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو جزو مذہب بنایا۔

بہ اعتبار امامت یا چند خاص عقاید کے اس مذہب نے اس شان سے مغرب میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب اس کے داعی پہلے تو حکومت عباسیہ کی قلمرو اکثر وہ لوگ جو آپ سے حکمرانوں سے بغاوت یا مخالفت کا حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے اس دعوت کو صرف ضرورت کے لئے قبول کر لیا۔ مگر ہمیشہ سے اصول اور نئے عقاید دنیا کے سامنے پیش کئے ابتدائے دعوت میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ جن کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انہیں کے دوسرے ہم خیال اور ہم اغراض حسن بن صباح کے مرید یعنی باطنیہ تھے۔ حسن بن صباح کی کوشش نے بھی مذہب کو جس رنگ کا جامہ پہنایا وہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا مذکورہ بالا اصول امامت کے تسلیم کرنے کے بعد اس نے الٰہیات کے نازک اور دقیق مسائل پر غور کر کے مسلمانوں کے خدا کو بھی یونانی فلسفوں کے خدا کی طرح مجرد حیلن الماؤہ کے درجے سے بڑھا کے معری و معطل سا بنا دیا۔ اس نے ہمارے متکلمین کی طرح یہ نہیں کہا کہ واجب الوجود عز اسمہ کے جملہ صفات

عین ذات ہیں۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ اس میں کوئی صفت ہی نہیں اُس نے کہہ دیا۔ کہ اگر صفات اس میں ہوں۔ تو وہ مخلوق کا سا ہو جائے۔ ور تشبیہ لازم آئے۔ لہذا اُسکی طرف کسی صفت کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ صفات اُس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے نہیں کہ اُس میں موجود ہیں بلکہ دوسرے اعتبار سے اُس کو قادر کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اُس میں قدرت ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی ہے۔ اور اسی طرح جملہ صفات کی نسبت اُس کی جانب محض اس سبب سے کی گئی ہے کہ اُس نے مخلوق کو وہ چیزیں عطا کی ہیں۔ ان صفات ہی کی کیا تخصیص ہے حسن نے دراصل خدا کی ذات کو بھی شبہ میں ڈال دیا۔ اس کا خیال ہے۔ کہ خدا کے ساتھ لفظ وجود کو بھی منسوب نہیں کر سکتے نہ ہم اُسے موجود کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر موجود۔

باطنیہ کے ان عقاید میں ہمارے ناظرین کو شاید بہت کم لطف آئے گا لہذا ہم اُن کا وہ خاص عقیدہ بتائے دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ باطنیہ کہلائے اُن کے نزدیک ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی ہے یہ ایک ایسا اصول تھا جسکی بنا پر احکام شرعی میں ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ ہر حلال حرام ہو جائے۔ اور ہر حرام حلال کر دیا جائے اور یہی وجہ تھی۔ کہ جس طرح مصر میں ہر خلیفہ کے عہد میں مذہب ہمیشہ ایک نئی شان سے ظاہر ہوا اس طرح حسن بن صباح کے المونت میں روز نئی ترمیمیں ہوئیں۔ کبھی جائز باتیں حرام نہیں۔ اور کبھی شراب تک حلال تھی۔

باطنیین کے عقاید کو بالاجمال بتا کے اب ہم پھر حسن کے حالات کی طرف توجہ لیتے ہیں۔ درحقیقت حسن کو اپنے معتقدین اور پیروؤں میں جو مقبولیت اور وقعت حاصل تھی۔ شاید کسی بادشاہ اور فرمانروا کو کم حاصل ہوگی۔ خود خلفا کے

بنی فاطمہ مصر جن کی مشعل سے حسن نے اپنا چراغ جلایا تھا۔ وہ بھی اپنے معتقدین میں بھی وہ رتبہ نہیں حاصل کر سکے۔ جو حسن کو اس کی جنت اور ظاہری بے نفسی اور ریاضت سے حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے حکم سے اور اس کے اشارہ پر جان دینا لوگ اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرتے تھے۔ اور جنت کے شوق نے موت کو بالکل ایک معمولی بلکہ خوشگوار چیز بنا دیا تھا۔

ملک شاہ نے جس کا ذکر اوپر آ چکا حملے سے پیشتر حسن کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی۔ جس کے ذریعہ سے باطنیہ کے عقاید دریافت کئے تھے۔ اور ہدایت کی تھی کہ بھلائی چاہتا ہے تو فوراً قلعہ الموت خدام سلطانی کے سپرد کر دے حسن نے اس موقع پر اپنا رعب داب اور اپنا عجیب و غریب اثر دکھانے کے لئے اس قاصد کے سامنے ایک خادم کو بلا کے خودکشی کر لینے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اس خادم نے اپنا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے خادم کو اشارا کیا جو فوراً ایک بلند برج پر چڑھ کے نیچے گرا اور تڑپ کے مر گیا۔ یہ وہ خطرناک تماشے دکھا کے حسن نے ملک شاہ کے سفیر کو واپس کیا۔ اور قلعہ کی حفاظت کا سامان کرنے لگا۔

اس طرح اپنی قوت خوب بڑھا کے اور اپنے لشکر کو ایسے جانباز سپاہیوں سے آراستہ کر کے حسن بن صباح نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی اور نقیب پھیلانا شروع کر دیئے چند ہی روز میں ترکستان سے لے کے مصر تک کوئی جگہ نہ تھی جہاں اس کے اصول مذہبی کی تلقین نہ ہو رہی ہو۔

جب یہ خبر اطراف عالم میں پھیلی تو ساری دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ پڑ گیا سلاطین گھبرا گھبرا کے چونک پڑے اور علما و مقتدایان ملت نے فدائیوں اور اسماعیلیوں کے خلاف کفر و بے دینی کے فتوے جاری کئے اور عام طور پر

ہر جگہ حکم دے دیا گیا۔ کہ جو کوئی اپنے آپ کو فدائی بتائے یا اُس پر فدائی ہونے کا اشتباہ ہو فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ اِن احکام کا یہ نتیجہ ہوا کہ خراسان سے بحیرۂ روم کے سواحل تک ہر جگہ قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ جہاں کوئی فدائی ملجاتا فوراً قتل ہوتا۔ مگر اس مخالفت اور عداوت نے فدائیون مین اور زیادہ جوش پیدا کر دیا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ احتیاط کو عمل مین لاتے اور اپنے دشمنون کو زیادہ سرگرمی سے قتل کرتے۔

اسی زمانہ مین حسن بن صباح کے معتقدین کا قدم سرزمین شام مین جم گیا۔ اتفاقاً اُن دلون حروب صلیبیہ کے پہلے حملہ آورون کا سیلاب سرزمین شام سے گذر رہا تھا۔ اور بیت المقدس مین مسلمان بلا استثنا و امتیاز قتل کیے گئے تھے۔ رضوان نامی ایک شخص نے جو شہر حلب کا مالک تھا۔ مذہب اسماعیلیہ قبول کر کے ایک طرف تو عیسائیون سے دوستی پیدا کی۔ دوسری طرف فدائیون کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زیر حمایت لیکر مسلمانون کو قتل کرانا شروع کیا۔ مگر رضوان کے مرتے ہی معاملہ منعکس ہوا۔ تمام مسلمان بیکبار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جتنے اسمٰعلی اور فدائی ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ اور کہتے ہین کہ بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ لیکن فدائی اپنی کارروائیون سے غافل نہ تھے۔ اُن کے تین پرجوش جانبازون نے خلیفہ بغداد کے بھرے دربار مین اور سب لوگون کے دیکھتے دیکھتے دمشق کے والی اتابک کے دو ہوکے مین والی خراسان پر ایک ساعت حملہ کر دیا۔ اور اُس کی جان لئے بغیر نہ رہے۔ اسی طرح اور بھی کئی صوبون کے گورنر مارے گئے۔ اور رفتہ رفتہ اُن لوگون کی اسقدر ہیبت دلون مین بیٹھ گئی کہ بعض بعض حکمرانون نے اپنے پہاڑی اور مستحکم قلعے آپ ہی مسمار کر دیے۔ کہ حسن بن صباح مانگے گا۔ تو دینے پڑین گے۔

آخر مدت ہائے دراز کی عزلت گزینی و ریاضت اور پینتیس برس کی حکمرانی کے بعد جمادی الثانی ۵۱۸ھ میں حسن مرض موت میں مبتلا ہوا۔ اور جب یقین ہو گیا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے تو فوراً اپنے ایک قلعدار اور معتمد علیہ بزرگ کو بلایا۔ اور تمام امور انتظامی کی باگ اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وصیت کی کہ میرے بعد تمہاری حیثیت حاکم اعلیٰ کی رہے۔ مگر نظم و نسق سلطنت کی خدمت دیدار علی کے سپرد رکھنا۔ اور فوجی کام امیر الجیش قصرانی کے۔ یہ وصیت کر کے ۲۶ ماہ مذکور کو اُسکی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا اور وہ بزرگ بادشاہ الموت اور اس جدید اسماعیلی لاج کا گرینڈ ماسٹر یا داعی الدعات قرار پایا۔

حسن کی طرح اس نے بھی فدائیوں ہی کے بل پر حکومت کی۔ اور اس پرجوش گروہ کو اور ترقی دلانے لگا۔ اُس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم مل کے ارادہ کیا۔ کہ الموت کے فتنے کا خاتمہ کر دیں۔ بخصوص اُن کے ساتھ سلطان سنجر کے جانشین سلطان محمود نے اس مہم میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ اس نوجوان نے حملہ کر کے قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا۔ اور باطنیوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ مگر سلطان محمود کے مرنے کے بعد کیا بزرگ پھر اپنے اس پرانے قلعے پر قابض ہو گیا۔ اور اُس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔

اُن دنوں فاطمیوں میں سے ابوہاشم نام ایک بزرگ نے شہر گیلان میں دعویٰ امامت کیا تھا۔ کیا بزرگ نے پہلے انہیں دھمکی دی۔ مگر جب دھمکی کے جواب میں اُنکا عتاب آمیز خط آیا۔ تو ایک فوج بھیج کے اُنہیں شکست دی اور گرفتار کر لیا اور خاتمہ یہ ہوا۔ کہ وہ بیچارے اُن ظالم و خونخوار

دشمنوں نے ہاتھوں زندہ آگ میں جلا دیے گئے۔

شام میں اگرچہ فی الحال باطنیوں کا دور لوٹا ہوا تھا مسلمان امراء ان کا قلع قمع کر رہے تھے۔ اور خود عیسائیوں سے بھی تعلقات نازک تھے۔ مگر فدائیوں کے جوش میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے پائی تھی۔ چند فدائیوں نے حکمران موصل پر ایک ساتھ حملہ کر دیا اور اُسے قتل کر ڈالا۔ ان میں سے سات گرفتار ہو کر مارے گئے مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اُس کی ماں کو پہلے اُس کے مارے جانے کی خبر ملی تھی جس پر وہ بہت خوش ہوئی۔ کپڑے بدلے۔ خوشبو لگائی۔ اور عید سے ٹھاٹھ کر کے بیٹھی ہی تھی۔ کہ معلوم ہوا وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیے کہ افسوس میرا بیٹا شہادت اور ایک درجۂ اعلیٰ سے محروم رہا یہ اثر تھا جو حسن کی کوششوں سے مرد عورتوں تک کے دل میں پیدا ہو گیا تھا

ان عہد میں آٹھواں فاطمی خلیفہ مصر بھی فدائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسلئے کہ حسن کے معتقد اسے جائز وارث اور امام نہیں تسلیم کرتے تھے۔ بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے۔ جسے مصری سازشوں سے باپ کی خاندانی حکومت نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اسی کے آٹھ سال بعد خلیفہ المسترشد باللہ عباسی فدائیوں کے ہاتھ سے سر بازار مارا گیا۔ اور اس کے قتل میں اس قدر بے رحمی سے کام لیا گیا کہ ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ اور لاش برہنہ سڑک پر ڈال دی گئی ان خلیفوں کے علاوہ کیا بزرگ کے عہد میں فدائیوں نے خاص ابو سعید ہروی دولت شاہ قربان [illegible] بعد قزوین۔ آذربائیجان کے مفتی حاکم مراغہ ابوالقاسم حسن [illegible] قزوین کے قاضی گرامی [illegible] جام شہادت پلایا

کیا بزرگ [illegible] المہوت [illegible] تاجداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ خلیفہ [illegible] الراشد باللہ [illegible]

سے مارا گیا۔ اس نے باپ کے خون کا انتقام لینے کا سامان کیا تھا اور ایک فوج جمع کر کے روانہ ہوا تھا۔ کہ راستے ہی میں چار فدائیوں کے ہاتھ سے اپنے شاہی خیمہ میں سوتا ہوا مارا گیا۔ راشد باللہ کے مارے جانے کی خبر جب الموت میں پہنچی تو بڑی خوشیاں کی گئیں۔ اُن تمام پہاڑیوں پر جو قلعہ الموت کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں سات شبانہ روز تک نوبت بجتی رہی۔ اور ہر شخص انتہا سے زیادہ مسرور تھا۔

اس امر کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ ان سنگدل فدائیوں کے ہاتھ سے کتنے آدمی مارے گئے۔ یہی بتانا کافی ہے۔ کہ انسانوں کے ہر طبقے اور ہر مذہب میں سے کوئی گروہ نہیں بچا تھا جس میں فدائیوں کے خنجر نے کوئی کمی نہ پیدا کر دی ہو۔ فرمانروائے الموت جو شیخ الجبال کہلاتا تھا۔ اوس کے جانستان کارگذار ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر خاندان میں موجود تھے۔ جس کسی کا نام اس خوفناک شیخ کی خون آلودہ فہرست میں لکھ گیا۔ پھر اسے کہیں پناہ نہ مل سکتی تھی۔ مساجد کی حرمت مقاموں کی مضبوط دیواریں اور گھروں کے مقفل دروازے سب اس کے لئے بیکار تھے۔ کوئی شخص جس طرح دشت بے گیاہ میں تنہا ہونے کی حالت میں خائف تھا۔ اسی طرح بڑے بڑے زبردست لشکروں کی بھیڑ میں بھی ان فدائیوں سے کانپا کرتا تھا۔ یہ فدائی صرف اتنی ہی غرض رکھتے تھے کہ خواہ مریں یا جئیں مگر جس کے لئے حکم ہو اسے قتل کر ڈالیں۔ صرف دشمنوں سے انتقام لینے ہی کے لئے یہ خون آشام کارروائی نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی صرف روپیہ فراہم کرنے یا دوستوں کے خوش کرنے کے لئے لوگوں کی جان لی جاتی تھی۔ جو فدائی اپنی خدمت ادا کرنے میں مارے جاتے شہید خیال کئے جاتے اُن کے پسماندوں کو بیش قیمت تحفے دئے جاتے اور اگر وہ غلام ہوتے تو انہیں آزادی کی دولت

ملتی۔ اس طرح نجات سرمدی اور اپنے دوستون کو دنیاوی فائدہ پہنچانے کے لئے وہ قسم کھا کر گھر سے نکلتے اور جسکی جان لینی ہوتی وہ جہان ہے جہان ہوتا جا پہنچتے اس کام مین وہ موت کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ موت ہی کو کامیابی سمجھتے تھے بھیس بدل بدل کے انہون نے اکثر براعظم ایشیا کی پوری مسافت قطع کی بلکہ بعض اوقات یورپ مین بھی قدم رکھا اور ایک کونے سے دوسرے کونے پر جا پہنچے اُن کی سرگرمیون نے عالم دنیا مین ان دنون اس قدر وحشت اور بدگمانی پیدا کر دی تھی کہ کسی کو اس امر کا اطمینان کر لینا غیر ممکن تھا کہ یہ راہب جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے گھٹنون پر کھڑا عبادت کر رہا ہے۔ یا یہ مہمان جو دسترخوان پر ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے شیخ الجبال کا فدائی تو نہین ہے۔

اس امر کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا تھا کہ یہ سلطنت جو حاصل کی جاتی ہے اپنے لئے نہین بلکہ امام غائب کے لئے ہے۔ جو عنقریب ظاہر ہون گے۔ ان کے خفیہ راز چاہے جو کچھ ہون۔ مگر ظاہر مین یہی کہتے ہین۔ کہ ہم سچے مسلمان اور حقیقت اسلام کے پیرو ہین۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ سلطان سنجر نے جب ایک قاصد بھیج کے باطنیہ کے عقاید دریافت کئے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا۔ کہ "ہمارا ایمان توحید ہے اور صرف اُسی شریعت پر عمل کرنے کو صراط المستقیم سمجھتے ہین جو خدا اور رسول سے ملی ہے تحقیق عالم بعث و نشر جزا و سزا اور قیامت کے متعلق ہم وہی عقیدہ رکھتے ہین جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔

محمد اگرچہ خوش نصیبی سے باطنیون کا بادشاہ ہوگیا۔ مگر اس مین اپنے فرائض منصبی پورے کرنے کی کافی لیاقت نہ تھی۔ آخر یہ امر باطنیون پر ظاہر ہونے لگا۔ اور اکثر لوگ اس کے بیٹے حسن کی طرف متوجہ ہوئے جو بڑا عالم و فاضل تھا۔

اور عجیب و غریب طبیعت کا شخص ثابت ہوا۔ اس کے کارنامے خود بانی سلطنت حسن بن صباح سے بہت ملتے ہیں۔ لوگ روز بروز اس کے گرویدہ ہونے لگے اور چند روز میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ اپنے کو نائب امام بتاتا ہے۔ محمد کو جب یہ خبر پہنچی تو بیٹے کو دھمکایا اور اس کے ۲۵۰ ہم عقیدہ دوستوں کے سر کٹوا ڈالے۔ حسن نے اس موقع پر اپنی برات ظاہر کی اور علانیہ کہنے لگے کہ جو لوگ قتل کیے گئے وہ اصل لامذہب اور دہریے تھے۔ اور مجھے ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ مگر خفیہ طور پر دوسرے مریدوں کے پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ باپ کی ناقابلیتی نے اُسے اسباب کا زیادہ موقع دیا اس لیے کہ محمد اپنی کمزوری سے اُن تمام قلعوں کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا جو ہزارہا میل تک کوہستان ہی کوہستان میں پھیلتے چلے گئے تھے۔ پہاڑوں کا سلسلہ جو خراسان سے شروع ہو کے بحر خزر کے کنارے کنارے آذربائیجان تک پھر وہاں سے جنوب کی طرف عراق اور جستان تک پھر وہاں سے کروٹ لیتا گزرتا ہوا سواحل روم کے ساحل تک چلا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے میں باطنیوں کی قلعے کی مضبوطی سے قائم تھے۔ اور نقشے میں جو شخص اس سلسلے کو دیکھے گا وہ اندازہ کر سکے گا کہ جو لوگ اس پورے کوہستان پر اول سے آخر تک قابض ہوں اُن کی قوت کس قدر خوفناک ہوگی۔

حسن کی کوشش جاری تھیں کہ محمد ابن کیا بزرگ مر گیا اور حسن نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اصول جاری کرنا شروع کر دیے اس نے تخت پر قدم رکھتے ہی باطنیوں کے تمام صاحب اثر لوگوں کو قلعہ الموت میں بلوا کے جمع کیا اور مشہور کیا کہ بہت سے نئے رموز خاص بارگاہ امامت سے بتائے گئے ہیں۔ جن کا پوری اُمت پر ظاہر کرنا بہت ضروری ہے۔ اس حکم کے

ساتھ ہی لوگ جوق جوق اطراف وجوانب سے آنے لگے - اور قلعہ الموت میں اتنی خلقت جمع ہوگئی کہ اس سے پیشتر کبھی جمع نہیں ہوئی تھی - جبکہ تمام داعی اور نقیب بلکہ قریب قریب ساری قوم جمع ہوئی - تو رمضان کی ۱۷ تاریخ حسن بن محمد ممبر پہ چڑھا - اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے درمیان میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جس میں یہ مضامین درج تھے کہ حسن ہمارا نائب ہمارا داعی اور ہمارا نقیب ہے وہ تمام لوگ جو ہماری اتباع کرتے ہیں - اُنہیں ہر امر میں خواہ ظاہری ہو یا باطنی اُس کی فرمان برداری کرنی چاہیئے - اُسکے احکام کو منزل من اللہ اور اس کے الفاظ کو ملہم بالغیب سمجھیں وہ کام ہرگز نہ کریں جس سے وہ منع کرے اور جو وہ حکم دے اُسے اسی طرح بجالائیں کہ گویا ہمارے ہی احکام ہیں یہ خط پڑھ کے حسن نے کہا کہ " رحمت کے دروازے اُن سب لوگوں پر کھل گئے ہیں جو میری اطاعت کریں - تم خدا کے منتخب لوگ ہو لہذا تمام شرعی قیدیوں سے تم کھُل گئے - اس خطبے کے بعد اُس نے بڑی دھوم دھام سے ایک دعوت کی جس میں لوگوں کے روزے توڑ ڈالے گئے - اور سب لوگوں نے سارا دن عید قرار پایا - اور اُسی دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا - یہ دن اُسکے بعد سے باطنیوں کی عید قرار پایا - اور اُسی دن سے شراب حلال ہوگئی - تمام شرعی تکلیفیں اُٹھا دی گئیں اور علانیہ پکار دیا گیا کہ زبردستی کے امر و نواہی واجب التعمیل نہیں - یہی زمانہ ہے جب سے تمام مسلمانوں نے باطنیہ لوگوں کو ملا - یعنی بے دین کے لقب سے یاد کرنا شروع کیا -

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حسن سے فاطمی خلیفہ مصر مستنصر باللہ نے بروقت ملاقات کہا تھا - کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا - نزار کو مصر میں تو خلافت نہیں ملی - مگر حسن بن صباح اور اُس کے معتقدین اسوقت نزار ہی

کی امامت کے معتقد تھے۔ حسن بن محمد نے اپنے عہد میں یہ کمال کیا کہ اپنے آپ کو خود نزار کی نسل سے مشہور کرکے دعوائے امامت شروع کردیا۔ اس کے ثبوت کے واسطے کہ لئے یہ قصہ بیان کیا گیا کہ نزار بن المستنصر باللہ کا ایک چھوٹا بچہ خود حسن کے عہد میں قلعہ الموت میں آ کے سکونت پذیر ہوا تھا جس کے حال سے سوائے حسن کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس نزاری الاصل سیدزادے نے یہاں شادی کی اور اس کے بیٹے کے گھر میں اتفاقاً اسی روز بیٹا ہوا جس روز کے محمد بن کیا بزرگ کے لڑکا پیدا ہوا تھا۔ دونوں لڑکے پوشیدہ ہی پوشیدہ بدل دئے گئے۔ اس طرح سے اپنے آپ کو نزاری الاصل ثابت کرکے حسن بن محمد نے امامت کی سند حاصل کی اور خود فاطمی بن گیا۔

حسن باوجودیکہ اپنے خاندان میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ اسے چار برس سے زیادہ سلطنت نہ نصیب ہوئی۔ خود اپنے سالے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کا بیٹا محمد ثانی باطنیوں کا بادشاہ ہوا تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے قاتل اور اس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کر ڈالا اور اس کے بعد علوم کی سرپرستی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اور فلسفہ میں بہت اچھی بصیرت رکھتا تھا۔ اسی کے عہد کا واقعہ ہے۔ کہ امام فخرالدین رازی شہر رے میں وعظ کہا کرتے تھے اتفاقاً لوگوں میں خبر مشہور ہوئی کہ امام ممدوح خفیہ طور پر باطنیین کے معترف اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس خلاف واقعہ اتہام کی تردید کے لئے امام موصوف ایک دن ممبر پر چڑھے اور ایک تقریر کی جس میں عقاید اسماعیلیہ سے اپنی برأت ظاہر کی تھی۔ اور جوش میں آ کے چند سخت و سست الفاظ باطنیین کے خلاف کہے۔ اس کی خبر جب محمد ثانی فرمانروائے الموت کو

پہنچی تو اُس نے ایک فدائی کو سکھا پڑھا کے روانہ کیا۔ یہ فدائی آ کے امام رازی کے تلامذہ میں شریک ہو گیا۔ اور برابر سات مہینے تک کمال ادب سے اُن کے حلقۂ درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینے کے بعد ایک دن امام رازی اپنے حجرے میں تنہا تھے۔ خدام باہر گئے ہوئے تھے۔ شاگردوں میں سے بھی کوئی موجود نہ تھا۔ ایسی حالت میں موقع پا کے اُس فدائی نے امام ممدوح کو زمین پر دے مارا سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔

امام نے نہایت ہی خوف زدہ ہو کے پوچھا "آخر تم کیا چاہتے ہو؟" جواب ملا کہ "تمہارا سینہ چاک کر ڈالوں" پوچھا "کیوں؟" کہا "اس لئے کہ تم اسماعیلیوں پر لعن و طعن کرنے سے باز نہ آؤ گے" امام نے نہایت عاجزی سے رحم کی التجا کی اور قسم کھا کے وعدہ کیا کہ پھر کبھی تمہارے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا۔ فدائی نے اُن سے دوبارہ عہد لیا پھر سینے سے اُٹھ کے کہا "اچھا اُٹھئے۔ مگر یہ نہ سمجھئے کہ میں نے ترس کھا کے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے حکم ہی اتنا ملا تھا۔ اگر قتل کی اجازت ہوتی تو میں نے پہلے ہی اُس وقت آپ کا کام تمام کر دیتا" پھر بولا "ہمارے بادشاہ محمد بن حسن نے آپ کو سلام کہا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ قلعہ میں آ کے اُس سے ملئے۔ وہاں بے انتہا قوت آپ کے قبضے میں ہوگی۔ اور نہایت وفاداری کے ساتھ ہم آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ہمارا بادشاہ کہتا ہے کہ عوام کے کہنے کی ہم کو کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ باتیں چند روز میں معدوم ہو جاتی ہیں مگر تم سے نامی گرامی فاضل گرانپایہ کے الفاظ بے شک ڈرنے کے قابل ہیں۔ اس لئے کہ وہ پتھر کے نقش ہو جاتے ہیں اور کبھی مٹائے نہیں مٹ سکتے" امام فخر الدین نے جواب دیا کہ "مجھے الموت میں آنے کی تو جرأت نہ ہوگی۔ مگر ہمیشہ تمہارے بادشاہ کا ممنون احسان

رہون گا۔ اور کبھی اُن کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے گا۔" اُس کے بعد فدائی نے وہ قیمتی تھان اور تین سو اشرفیاں نذر کین۔ پھر کہا "یہ تنخواہ آپ کو ہر سال ملتی رہے گی۔ اور حجرے سے نکلا چلا گیا۔ امام رازی نے آخر تک اُس کو نباہا۔ اور اسماعیلیون کی نسبت اُن کی وضع مین جو فرق آگیا تھا۔ اُس نے لوگون مین اشتباہ پیدا کیا۔ آخر ایک شاگرد نے اِس کا سبب پوچھا تو اُنھون نے جواب دیا کہ مین اُن لوگون کو بُرا کہنا نہین پسند کرتا جن کی دلیلین کاٹ دار ہے۔ اور جن کے ارادے بہت تیز ہین۔

مگر اس عہد مین گو کہ ایران مین باطنیون کی قوت بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن ملک شام مین سلطان صلاح الدین کے فتوحات نے اُن کی قوت کو سخت نقصان پہنچا دیا۔ صلاح الدین ہی وہ شخص ہے جس نے اسماعیلیت کے مرکز اور بنی فاطمہ مصر کی خلافت کا دفتر اُلٹ دیا۔ جس سے فراغت کرنے کے بعد ملک شام کو اپنے قبضہ مین لا کے وہ دین اسلام کا سچا حامی بن گیا اور اُسکی زندگی کا زیادہ حصہ یورپ کے پرجوش مجاہدون اور صلیبی حملون کے روکنے ہی مین صرف ہوگیا۔ مگر اسماعیلیون کے نزدیک وہ اُن کے مذہب کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف فدائی خنجر باندھ کے اُس کی جان لینے کو روانہ ہوگئے۔ شہر حلب کے باہر جبکہ وہ اپنے کیمپ مین اُترا ہوا تھا چار فدائی یکے بعد دیگرے خنجر لے کے جھپٹے۔ مگر ہمیشہ ناکام رہے۔ ان مین سے بعض اُس کے پاس پہونچ گئے تھے۔ جس کا ہاتھ خود صلاح الدین نے پکڑ لیا۔ الغرض صلاح الدین بالکل معجزنما طریقے سے بچا اور وہی تھا جسے فدائیون کے اس کاری خنجر سے نجات ملی۔ مگر ان لوگون کے متواتر حملون سے وہ دل مین ایسا خائف تھا کہ اسماعیلیون کی سرزمین سے واپس روانہ ہوا۔ اور شہر حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ جو شام مین باطنیون کا

مرکز تھا۔ اس کو باطنیوں نے غنیمت سمجھے اس لئے کہ انہوں نے صلاح الدین
کی جان پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ صلاح الدین کی واپسی کے بعد رشید الدین ابوالحشر
جوسنان کے لقب سے مشہور تھا شام کے باطنیوں کا سردار قرار پایا۔ اس نے
خود پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ ایک الہامی کتاب معتقدوں کے سامنے پیش کی
اور خود پرستی کے ذوق نے یہاں تک جرات دلائی کہ اپنے آپ کو ایک اوتار یا
مظہر ایزدی بتانے لگا۔ باطنی لوگ اس کے نہایت ہی معترف تھے سنان نے
اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اموری کے پاس بھیجا۔ مگر
وہاں ایسی بدنظمیاں ہو رہی تھیں۔ کہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے بری
طرح مارا گیا۔ سنان کی خواہش کے مطابق قاتل کے دینے سے بھی انکار کیا گیا
نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسماعیلیوں اور فلسطین کے حکمران عیسائیوں میں بگڑ گئی۔
پیشتر اسماعیلی لوگ مسلمان قوتوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیتے تھے
اب خود عیسائیوں کے دشمن تھے اور فدائیوں کے خنجر یورپین سرداروں پر تیز
ہونے لگے جس طرح پہلے مسلمان سردار اور امیر فدائیوں کے ہاتھ سے قتل
ہو رہے تھے۔ اسی طرح اب مسیحی سرداروں کی جانیں لی جانے لگیں۔

جن لوگوں نے حروب صلیبی کی تاریخ پڑھی ہے۔ ان کو معلوم ہے۔ کہ
تیسری صلیبی لڑائی کے وقت انگلستان کا رچرڈ شیردل اور فرانس کا فلپ
جب ارض مقدس میں پہنچے ہیں تو عورتوں کے تعلقات شہوت پرستی کے
جذبات اور تنگ ظرفی کے بغض و حسد نے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن
بنا دیا تھا۔ فلپ چند روز کے بعد فرانس کو واپس گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے
بڑے سردار کونراڈ شہر ٹائر کے مارکوئیس کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ کونراڈ ہمیشہ
رچرڈ کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور ادھر ان میں بادشاہ فرانس فلپ

کے منشا کے مطابق شاہ انگلستان کو ملزم ٹھیراتا تھا۔ اُس کی اس طرز عمل کو
چند ہی روز گذرے تھے کہ ایک دن کنرڈ شہر طائر کے بھرے بازار میں ایک
فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا اور تمام مستند مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے
کہ اُس کا قتل شاہ رچرڈ کی خفیہ سازش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ انگلش مورخین اپنے
بادشاہ کے دامن پر سے اس خون کے دھبے کے دھونے کی بہت کوشش
کرتے ہیں مگر خود عربی مورخین اور شام کے مسلمان فرمانرواؤں کو اس بات
کا پورا اعتراف تھا۔ کہ اسماعیلیوں کے سردار سنان کو موافق کرکے خود
رچرڈ نے کنرڈ کو قتل کرایا۔ اس سے بڑھ کے اس سازش کا کیا ثبوت ہو سکتا
ہے کہ خود باطنی لوگ مقر تھے کہ ہمیں شاہ رچرڈ نے اس کام پر مجبور کیا ہے۔
اسکے چند ہی روز بعد عیسائیوں کے خلاف فدائیوں کو اسقدر جوش پیدا ہو گیا
تھا کہ فریڈرک بار بروسہ یورپ کا ایک نامی فرمانروا جب کہ شمالی اطالیہ
کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ خاص یورپ کے وسط میں ایک فدائی
کے خنجر سے مارا گیا۔ اور آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ فدائی اسپین سے آیا تھا
یا شام سے اُسے روم والوں نے رشوت دی تھی یا بغداد والوں نے۔

کنرڈ کے مارے جانے کے دو سال بعد کاونٹ شامپین ارض فلسطین
کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر سیات میں پہنچکے خاص سنان کا مہمان ہوا
یہاں اُسکے قلعے کے دمدمے اور برج دکھائے گئے۔ خصوصاً ایک برج جو
سب سے بڑا تھا۔ اُس کے ہر زینے پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے
ان کو دیکھ کے باطنیوں کے حکمران نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا "اس میں
کوئی شک نہیں کہ ہمارے سے فرمانبردار سپاہی تمہیں نصیب نہیں ہو سکتے"
یہ کہتے ہی اُس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کیا اور اشارے کے ساتھ ہی

سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے گر پڑے اور اسی وقت مر گئے۔ یہ تماشہ دکھا کے سنان بولا" انہیں پر منحصر نہیں ہے جتنے سپاہی سفید کپڑے پہنے کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب اسی طرح گر گر کے جان دیدینگے۔ عیسائی بادشاہ نے کہا۔ مجھ پر منحصر ہے۔ شاید کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نہ نصیب ہو گی" کاونٹ شامپین سیات سے روانہ ہوتے وقت جب سنان سے رخصت ہوا تو معزز میزبان نے کہا" اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اُس کا کام تمام کر دیں گے"

المَوت کے بادشاہ محمد دوم کو آخر اس کے بیٹے نے زہر دیدیا۔ جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کے حسن ثالث کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حسن عقائد میں عام مسلمانوں کے موافق تھا۔ اور شریعت اسلام کی سچی پیروی کرتا تھا۔ باپ کی بے اعتدالیوں ہی نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایسے لامذہب اور فاسد العقیدہ حکمران سے خالی کرا دے۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو اپنے قلعہ میں مدعو کیا جس کے بعد نماز کے لئے صفیں اور درست کی گئیں مسجدیں آباد ہو گئیں تعلیم قرآن کے لئے مدارس قائم ہوئے اس کے بعد حسن ثالث نے تمام معاصر سلاطین کے پاس سفارتیں بھیجیں اور سب کو علانیہ لکھ بھیجا کہ میں شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں۔ اور اسی اصلی دین کو اپنے قلمرو میں مروّج کرنا چاہتا ہوں۔ قزوین کے بعض لوگوں کو اس کی راست بازی میں شک تھا۔ جنہیں اس نے یوں اطمینان دلایا کہ ان کے وکیلوں کو قلعہ میں بلوا کے عام جماعت کے سامنے حسن بن صباح کے بانیٔ طریقے کی تمام کتابیں آگ میں جلوا دیں۔ تخت نشینی کے دوسرے سال اُس نے اپنی ماں اور بیوی کو ایک بڑے

ساز و سامان کے ساتھ حج کے لئے روانہ کیا۔ یہ شاہی جلوس جس فرمانروا کے قلمرو سے گزرتا بڑی قدر و منزلت کرتا۔ اور بڑی عزت سے پیش آتا۔ خود خلیفہ بغداد نے یہاں تک عزت کی کہ زبردست فرمانروائے خوارزم کے علم سے آگے المونت کا علم روانہ ہوا۔ اس کے بعد خود حسن نے ڈیڑھ سال کا ایک سفر کیا اور جس بادشاہ کے ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی۔ ان کارروائیوں کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ کہ ساری دنیائے اسلام تو اس سے موافق تھی۔ مگر باطنی لوگ دشمن ہو رہے تھے۔ غالباً اسی دشمنی کی بنیاد سے زہر دیدیا گیا۔

اب المونت کے تخت پر مرحوم حسن ثالث کا بیٹا علاؤالدین محمد جو ثالث کے لقب سے مشہور ہے۔ قابض ہوا محمد ثالث تخت نشینی کے وقت نو برس کا ایک بچہ تھا۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامات تھا اگرچہ انہوں نے حسن ثالث کے قاتلوں کو قتل کر ڈالا مگر حسن بن صباح کے مذہب کی پھر اشاعت ہونے لگی۔ محمد ثالث اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا کسی جاہل طبیب نے فصد تجویز کی۔ اور فصد میں بہت اتنا خون لے لیا۔ کہ نو عمر بادشاہ کا دماغ ہمیشہ کے لئے خراب ہو گیا۔ اور اس کی یہ حالت تھی کہ مونب اور بیفکریوں میں پڑ گیا۔ اور مہمات سلطنت کے متعلق اگر کوئی کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا۔ تو فوراً قتل کیا جاتا۔ مجبوراً یہ طرز اختیار کیا گیا کہ کل امور بادشاہ سے چھپائے جاتے اور کسی کو قریب جانے کی جرات بھی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی اس حالت اور مہمات سلطنت کی بے نظمی نے اگرچہ ان دنوں باطنیین کی قوت کم کر دی تھی لیکن فدائیوں کا جوش اس ضعف کے زمانے میں بھی ہمیں ویسا ہی نظر آتا ہے۔

اسی عہد کا واقعہ ہے کہ سلطان خوارزم نے کسی بات پر خوش ہو کر نیشاپور

اور اس کے گرد کے ضلاع امیر آرخان کو دیئے تھے۔ آرخان کسی دور کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اور جو شخص اوسکی قایم مقامی کر رہا تھا۔ اس نے باطنیین کے قلمرو پر حملہ کرکے بعض گاؤن لوٹ لئے فوراً المَوت سے ایک سفارت گئی اور اس بے اعتدالی کا جواب طلب کیا گیا۔ مگر سفیرون پر بہی کے ساتھ بجائے ان کے اس لفظون مین جواب ملے۔ اشارات مین یہ ظاہر کیا کہ اُس کے سامنے چند خنجر لاکے ڈال دیئے گئے اور سیر دربارہ المَوت اور برہم ہوا۔ فوراً چند فدائی بہیجے گئے۔ جنہون نے اس مہم مین آرخان کا کام تمام کر دیا۔

یہ پرجوش فدائی آرخان کی جان لینے کے بعد بجائے اس کے بہاگنے کا ارادہ کرین اپنے خون آلود خنجرون کو بلند کئے ہوئے شہر کے بازارون مین نکلے اور باطنیین کے بادشاہ علاء الدین کی سطوت و جبروت کا حال چلا چلا کے بیان کرتے جاتے تھے۔ انہون نے علانیہ یہ بہی دعویٰ کیا کہ ابہی ہمین سلطان خوارزم کے وزیر سے انتقام لینا باقی ہے یہ کہتے ہوئے وزیر کے محل مین گئے اور اُسے ڈہونڈہنے لگے مگر اتنی دیر مین شہر والون نے ایسی یورش کر دی کہ اُنہین ڈہیلے مار مار کر ہلاک کر ڈالا جسوقت یہ واقعہ پیش آیا۔ اُسی وقت بدر الدین احمد نام المَوت کا ایک اور سفیر وزیر سے ملنے کو آرہا تھا۔ راستے مین اُسے اپنے فدائیون کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو وہین ٹہیر گیا اور خط لکہہ کے وزیر سے دریافت کیا۔

اب تمہارا کیا منشا ہے مین آؤن یا واپس جاؤن وزیر آرخان کے مارے جانے اور اپنی جستجو کے واقعات دیکہ کے ایسا سہم گیا تھا۔ کہ فوراً اُس نے سفیر کو امن و امان کے ساتھ بلوایا بے انتہا خاطر و مدارات کی اور شرائط صلح سننے سے پیشتر وعدہ کر لیا۔ کہ آپ جو فرمائین مجھے منظور ہے۔ آخر ان دو باتون پر صلح ہوئی

کہ جنگ و پیکار کا خاتمہ ہوا۔ اور قلعہ دامغان باطنیوں کے فرمانرواؤں کے ہاتھ بیچ ڈالا جائے۔ یہ سفیر شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک مہمان رہا۔ ایک دن وزیر کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ باتوں میں کہنے لگا ہمارے دوستوں اور ہمارے خادموں سے بہت کم کوئی جگہ خالی ہے۔ خود آپ کے درباریوں اور محافظوں میں ہمارے بہت سے فدائی موجود ہیں۔ وزیر نے گھبرا کے پوچھا۔

"وہ کون لوگ ہیں"

اور اس کے ساتھ ہی اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینکا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں پناہ دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر کا رومال پھینکنا تھا۔ کہ خود اُس کے پانچ ملازموں میں سے پانچ آدمی بڑھ کے آگے آئے اور بولے۔

"ہم باطنی فدائی ہیں"

ان میں سے ایک فدائی ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے قدم آگے بڑھا کے کہا۔ اسی دن اور اسی دم ہم تمہیں قتل کر ڈالتا۔ مگر ایسا ارادہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابھی تک مجھے تمہارے قتل کا حکم نہیں ملا ہے"

یہ سنتے ہی وزیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور گھبرا کے خود اپنے آپ کو اُن ملازموں کے قدموں پر گرا دیا۔ اور التجا کرنے لگا۔ کہ میری جان نہ لینا۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے آپ کو تمہارے بادشاہ کا ایک ادنیٰ غلام سمجھوں گا" بدرالدین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کے اُسے تسلی دی اور رخصت ہو کے الموت روانہ ہو گیا۔

ان واقعات کی خبر جب سلطان خوارزم کو پہنچی تو اپنے وزیر کی اس بزدلی پر نہایت برہم ہوا۔ اور ایک خط کے ذریعے سے بہت کچھ لعنت ملامت کی۔ اور حکم دیا۔ کہ میرا خط پہنچتے ہی وہ پانچوں اسماعیلی باطنی پکڑ کے زندہ آگ میں جلا دیے جائیں۔ سلطان کے حکم سے انحراف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر واقعی اس وقت کا

سیں عجیب و غریب تھا۔ وزیر باطنین کے خوف سے ڈر رہا تھا۔ اپنی بدعہدی پر رو رہا تھا۔ مگر اسماعیلی جو لوگ کے شعلوں میں جل رہے تھے۔ جوش و خروش سے نعرہ ہائے مسرت بلند کر رہے تھے کہ ہمیں شہادت نصیب ہوئی اور اسکے ساتھ علاء الدین محمد ثالث کی مدح سرائی کرتے جاتے تھے۔ جب یہ خبر التمونت میں پہنچی تو وہاں سمجھ لیا گیا کہ اس امر میں وزیر کو بہت کم دخل ہے۔ مگر خفیہ طور پر اوسے لکھا گیا کہ تم نے ہمارے پانچ جان نثاروں کو آگ میں جلایا ہے۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو اُن میں سے ہر ایک کی جان کا معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں روانہ کرو۔"

وزیر نے اس جرمانہ کو بہت غنیمت سمجھا باطنیوں کے سفیر کی بڑی قدر و منزلت کی اور صرف وہ جرمانہ ہی نہیں روانہ کیا بلکہ وہ رقم بھی واپس کر دی جو قلعہ امغان کی فروخت میں فرمانروائے التمونت سے وصول ہوئی تھی۔

سنہ ۶۵۴ھ میں شاہ التمونت علاؤ الدین محمد بھی اپنے خادم کے ہاتھ سے قتل اور اُس کا بیٹا رکن الدین خورشاہ تخت نشین ہوا۔ یہی شخص باطنیوں کا آخری بادشاہ ہے تخت نشینی کے وقت بہت کم سن تھا سلطنت کے انتظام جو علاؤ الدین کے وقت سے بگڑ گئے تھے اوسکے سنبھالے نہیں سنبھل سکے۔

اور غضب یہ ہوا کہ عین اُسوقت جبکہ باطنین کی سلطنت ضعیف ہو رہی تھی تاتاریوں کا ٹڈی دل مشرق سے ایک سخت طوفان کی طرح اوٹھا اور ہلاکو خان کا لشکر ممالک ایران و عراق کے برباد کرنے کو روانہ ہوا۔ تاتاریوں کے تخت پر ان دنوں منقو خان جلوہ افروز تھا۔ اور حقیقی بھائی کا عبدنڈا ہلاکو خان کے ہاتھ میں تھا۔ بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ باطنین نے خود اپنی تاتاریوں کو چھیڑا۔ اور اُن کے شاہی خاندان پر حملے کئے۔ مگر عام مورخین کا بیان ہے

کہ باطنیوں کے ظلم وستم سے لوگ اس قدر چیخ اٹھے تھے۔ کہ معتصم باللہ خلیفہ بغداد اور شہر قزوین کے معزز لوگوں کی طرف سے تاتاریوں کے شہنشاہ کو لکھا گیا کہ باطنی لوگ ڈیڑھ برس سے سارے ایشیا کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور ان کا استیصال ہمارے امکان سے باہر ہے۔ ان سفارشوں کے پہنچتے ہی منقول خان فوج کشی پر آمادہ ہوگیا۔ اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ کیا اور رخصت کرتے وقت یہ کلمات کہے کہ میں تمہیں ایک بڑے زبردست لشکر اور سواروں کی چنیدہ جماعت کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ یہ ایسے بہادر سپاہی ہیں جن سے بہتر سارے توران و ایران میں نہیں مل سکتے۔ خبردار ہر امر میں چنگیزی رسوم و آئین کی پیروی کرنا اور دولت مغول کے قلمرو کو دریائے جیحون سے بڑھاتے بڑھاتے دریائے نیل تک پہنچا دینا۔ جو لوگ اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اپنی قسمت تمہارے ہاتھ میں دیدیں۔ ان کے ساتھ مراعات کرنی چاہیئے۔

مگر جو مزاحمت کریں۔ خبردار ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جاوے اونہیں معہ زن و فرزند کے قتل کرنا باطنیوں کے استیصال کے بعد تمہیں عراق کی مہم سر کرنا ہے اگر خلیفہ بغداد اطاعت کرے اور تمہاری پناہ میں آنا چاہے تو اوس پر مہربانی ہو۔ لیکن اگر اُس سے سرتابی ظاہر ہو تو اوس کا بھی وہی حال ہو جو اوروں کا ہوگا۔

ان دنوں خواجہ نصیر الدین طوسی رکن الدین خورشاہ کے وزیر تھے۔ ان کے ہاں پہنچنے کا یہ سبب ہوا۔ کہ جب علوم ریاضیہ میں اون کے علم و فضل کی بڑی شہرت ہوئی تھی۔ تو انھوں نے دربار خلافت کے خوش کرنے کے لئے اپنی ایک تصنیف کے خطبہ میں المستعصم باللہ کا نام درج کیا اور خلیفہ کو اپنا مربی بنانے کیلئے کوشش کی المستعصم

ابتداً اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

مگر ابن علقمی کو جو مستعصم باللہ کا وزیر تھا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی سے عداوت تھی اُس نے خلیفہ کے برہم کرنے کے لیئے یہ اعتراض کیا کہ آپ کے نام کے ساتھ اس کتاب میں "خلیفۃ اللہ علی ارضہ" کا لفظ نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ جاہل و ناعاقبت اندیش خلیفہ بہت برہم ہو کے بولا۔

معلوم ہوتا ہے مصنف سخت بے عقل ہے" اور وہ کتاب دریا سے دجلہ میں پھکوا دی خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا اُسی وقت سے انتقام پر آمادہ ہو گئے اور خلیفہ بغداد کے ہاتھ سے امن پانے کے لئے المونت کے دربار میں پناہ لی۔ یہاں اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوئی کہ وزیر سلطنت بنائے گئے۔ لیکن چند روز میں جب اونہیں نظر آیا۔ کہ اونکی خواہش کے پورا کرنے پر المونت کا بادشاہ چندان مستعد نہیں اور اُس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس نازک زمانے میں سب سے زبردست سرپرست ہلاکوخان ہو سکتا ہے تو فرمانروائے المونت سے بھی بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گئے اور کوشش شروع ہو گئی کہ باطنیین کے قلعوں پر تاتاریوں کی حکومت ہو جائے۔

الغرض خواجہ نصیر الدین طوسی کی کوششوں اور تاتاریوں کے زبردست حملوں نے باطنیین کی ڈیڑھ سو برس کی مضبوط اور خوفناک سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کو اُن چھُری بند فدائیوں کے دست ستم سے نجات ملی۔ جنہوں نے ایک صدی سے زیادہ زمانے تک دنیا کو عجیب مصیبت میں مبتلا رکھا۔

جس زمانے میں ہلاکوخان کے ساتھیوں نے ایران میں باطنیین کا خاتمہ کیا اوسی زمانے کے قریب ہی مصر کے سلطان بیبرس نے شام کے اسماعیلیوں کا

استیصال شروع کر دیا۔ آخر یہ نتیجہ ہوا کہ فدائی ہونا ساری اسلامی دنیا میں جرم قرار پا گیا۔ اور اُس مذہب کا جو شخص جہاں ملا بلا تکلف قتل ہونے لگا۔ سلطنتوں کی رعایا بھی اُن کی دشمنی پر اٹھ کھڑی ہوئی اس لئے کہ کوئی نہ تھا جس کے دل کو انسان کش ٹھگوں کے ہاتھ سے صدمہ نہ پہنچا ہو۔ آخر متواتر قتل اور خونریزی نے فدائیت کی چھری ہمیشہ کے لئے کند کر دی۔

اور بعد کے زمانوں میں ڈھونڈھنے سے یہ تو بیشک ثابت ہو جاتا ہے کہ تھوڑے بہت باطنی اور اسماعیلی ارض شام و عراق اور نیز ایران میں موجود تھے۔ مگر وہ فدائیت کا جوش ایسا فرو ہوا کہ گویا اس مذہب کو اس سے تعلق ہی نہ تھا۔

تیمور لنگ جب فتح و نصرت کے بعد پھرتے پھراتے ارض مازندران میں داخل ہوا تو اُس نے بھی وہاں بہت سے اسماعیلی پائے جو قدیم باطنیوں کے یادگار تھے اور ہلاکو کی خون آشام تلوار سے بچ رہے تھے۔ بعض بعض آل عثمان کے تاجداروں نے جب عرب کے جنوبی بلاد یمن کو فتح کیا ہے۔ تو وہاں بھی بہت سے اسماعیلی آباد نظر آئے۔ عرب کے بعض اور ملکوں یعنی حضرموت عمان اور جزیرہ بحرین میں اسماعیلیت کی جڑ بہت دنوں پہلے سے قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے کہ ان مقامات میں ہمیشہ ان لوگوں نے پناہ لی جو خلافت بغداد کے خلاف تھے اور فاطمی خلفا کی طرفداری کا دعوی کرتے ہیں۔ سب کے سب پہلے قرامطہ نے اسی مذکورہ دعوے کے ساتھ عوام کو ایک روپوش غائب امام کا دلدادہ بنایا۔ جو اگرچہ پہلے تو پہلے اسماعیلی تھے۔ اور جب کبھی اونہیں یہاں بھی پناہ نہ ملتی۔ تو جہازوں پر سوار ہو کے ارض سندھ میں ہو رہتے۔

سندھ خلافت عباسیہ کے ماتحت ہو کے پہلے تو اوسی مذہب کا پابند تھا۔ جو ساری اسلامی دنیا کا مذہب تھا۔ مگر جب بغداد اپنے توابع کی نگرانی نہ کر سکا اور

اس کے ماتحت صوبجات بے تکلفی کے ساتھ آزاد ہونے لگے۔ تو یہاں عمان و بحرین کے اسماعیلیوں کے کثرت آمد و رفت ہوئی اور اسماعیلیوں کا مذہب شائع ہو کر یہاں کا عام مذہب ہونے لگا۔ مسعودی، ابن خرداذبہ، ابن حوقل، ابو اسحق اصطخری، اور علامہ بشاری کے سفرناموں کو اگر ترتیب سے رکھا جائے تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اسماعیلی مذہب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے کس طرح سندھ کے تمام مسلمانوں کا مذہب بن گیا تھا۔ دو مقام یہاں کے مرکز تھے اور انہیں کے لحاظ سے یہاں دو چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ ایک کا مستقر ملتان تھا۔ اور دوسری سلطنت کا دارالحکومت سندھ کا شہر منصورہ جس کا اب کہیں پتہ نہیں ملتا۔

مذکورہ سیاحوں کے بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان تو پہلے ہی اسماعیلی مذہب کا پیرو ہو چکا تھا۔ مگر منصورہ نے بھی خلافت بغداد کے مذہب کو چھوڑ دیا اور دونوں جگہ کی مسجدوں کے خطبے میں مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کا نام شامل ہو گیا اور ان میں کلمہ اشہد ان علیا ولی اللہ بڑھ گیا اور اس مذہب کی یہاں تک ترقی ہوئی کہ سکہ بھی یہاں خلفائے مصر کا چل رہا تھا۔ ہندوستان کے مورخین ابھی تک سندھ کے اس دور کے حالات سے ناواقف ہیں۔ جو بے سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے تاریخ الفنسٹن کے نقش قدم پر چلے جاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ تحقیق نے اس خیالی دفتر ہی کو الٹ دیا۔ جو الفنسٹن کی غلط بیانی تمام سرکاری مدارس میں پھیلا ہوا ہے۔ اب اس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ ہمارے مخدوم و مکرم خان بہادر مولینا مولوی ذکاء اللہ صاحب بھی اپنی مستند تاریخ کو اس غلطی سے ناپاک کرسکیں۔

جس ابو الفتح سے سلطان محمود نے ملتان کو چھینا وہ ملتان کے اسی اسماعیلی

شاہی خاندان کا پچھلا وارث تھا - اسماعیلیون خاصًا باطنیین کو اہل عجم ملاحدہ کے لقب سے یاد کرتے تھے - اور اسی وجہ سے وہ سندہ کے سمرنا خاندان کو اُن بادشاہون کو جس مین غالبًا ابو الفتح تھا - ملاحدہ کہتے تھے - مگر ہمارے مستند مورخ مسٹر الفنسٹن اِس ملاحدہ کے لفظ سے لغوی معنون پر خیال کر کے سمجھ گئے کہ اس سے ہندو مراد ہین اور خیال کیا کہ سمرنا والے لوگ ہندو تھے - پھر راجپوتون کے خاندان کی فہرست مین ڈہونڈہ کے کسی قوم کا ایسا نام نکال دیا - جو سومرہ لفظ سے ملتا جلتا تھا - اور دعوی کر دیا کہ سومرہ راجپوتون نے مسلمانون کو سندہ سے مار کے نکال دیا اور خود حکمران ہو گئے - حالانکہ اگر ذرا بھی تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سندہ پر عربون کے تسلط کے بعد پھر کبھی ہندوؤن کی حکومت نہین ہوئی - اس لیئے کہ خلافت کے بعد سومرہ قابض ہوے جو اسماعیلی اور باطنی فرقہ کے مسلمان تھے - پھر اُن سے اِس ملک کو محمود غزنوی نے چھینا جس کے بعد سے انگریزی حکومت تک ہمیشہ مسلمانون ہی کا تسلط رہا -

جن لوگون نے تاریخ فرشتہ مین سلطان محمود غزنوی کی فتح ملتان کا حال پڑہا ہے - اونہین یاد ہوگا - کہ محمود کی روانگی کی خبر سنتے ہی ابو الفتح نے وطن اور حکومت کے چھوڑنے کا ارادہ کر دیا - اور اپنے تمام عزیزون اور دوستون کو ساتھ لے کے اور ہاتھیون پر بٹھا کے ارض سراندیپ کے ارادے سے جنوب کی طرف روانہ ہو گیا تھا - جہان سے پھر اوسے کبھی واپس آنا نصیب ہوا - اور اسکی سلطنت ہمیشہ کے لیئے ایرانی و ترکی فاتحین ہندوستان کے قبضہ مین آ گئی

آج کل کے قریب قریب تمام مورخین متحیر بلکہ اس تاریخی معمے کے حل کرنے سے عاجز ہین - کیونکہ بہت سے جدت ہائے درانے سے بمبئی اور اطراف گجرات مین آباد

ہیں یہ یہاں کب اور کیوں کر آئے یہ مسئلہ یہاں تک لاعلمی میں پڑ گیا ہے کہ خود
بوہرے بھی جو درحقیقت مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہیں۔ اس کا جواب دینے سے
عاجز ہیں وہ خود اپنے آپ کو نومسلم تسلیم کرتے ہیں۔ اور کبھی زیادہ تجسس سے پوچھا
جائے تو ایک کہانی کی طرح یہ مختصر قصہ سنا دیتے ہیں کہ بہت زمانہ ہوا۔ ہمارے
مذہب کے ایک بڑے عالم بزرگ سواحل ہند پر آئے تھے۔ اونہیں کی کوشش
سے ہم سب مسلمان اور اس مذہب کے پیرو ہوئے۔

شاید ایسے کوئی بزرگ بھی آئے ہوں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بمبئی کے اسماعیلیوں
یا بوہروں میں سے اکثر خاص عربوں کی اولاد ہیں اور اونہیں لوگوں کی نسل میں جو
ابوالفتح کے ساتھ سلطان محمود کے خوف سے ملک کے جنوب کی طرف گئے اور
گجرات کو امن و امان کی جگہ دیکھ کے آباد ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال
کرنا چاہیے کہ عرب تاجر ہندوستان میں عموماً عمان و حضرموت سے آیا کرتے تھے
اور قدیم الایام میں اُن ممالک کے تمام لوگ اکثر مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہیں اور
اسماعیلیت ان ممالک مغرب کا عام مذہب بن گئی تھی اور یمن میں حکمران آل عثمان
کے زمانے تک اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ لہذا وہاں سے بھی جو سیاح و سوداگر
آئے ہوں گے۔ اُن سے بھی بعض لازمی طور پر اس مذہب کے پابند ہوں گے۔ ان
امور سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ بوہرے ہندوستانی الاصل نہیں۔ بلکہ اون کی
زیادہ جماعت خاصا عربوں کی نسل سے ہے جو سندھ سے نکل کے گجرات میں آئے
یا سیدھے ممالک عرب سے۔

الغرض اس طریقے سے اسماعیلیوں اور باطنیوں کا مذہب ہندوستان
میں آیا۔ اور آج تک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ ہندوستان کے یہ تجارت
پیشہ اسماعیلی اس اصول کو پوری قوت کے ساتھ مانتے ہیں۔ کہ ہر ظاہر کا ایک باطن

ہے اور اصل وہی ہے جو باطن ہو اس کے ساتھ اُن میں اپنے چھپانے اور اپنے اصول کو غیروں سے محفوظ رکھنے کی پوری پابندی کی جاتی ہے - ہزار پوچھئے کبھی نہ بتائیں گے کہ اون کے کیا عقائد ہیں یا اون میں اور دیگر فرقہ اسلامیہ کے عقائد میں کیا فرق ہے - مگر فدائیت کا جوش جب سے فرو ہوا - پھر کبھی ظاہر نہیں ہوا - ہندوستان میں اِن لوگوں نے ہمیشہ امن و امان کی زندگی بسر کی اور آج انگریزی سلطنت کے ماتحت نہایت آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں -

یہیں نہیں اُن کے مذہبی بھائی ہند ایران و شام میں بھی اسوقت موجود ہیں - مگر ایران میں حتی الامکان اپنے آپ کو چھپاتے ہیں اور شام میں بدوی قبائل عرب کی طرح سرکش اور سلطنت کے باغی بنے ہوئے ہیں - ایران میں تھوڑے چندروز پیشتر تک دعوی کرتے تھے - کہ اون کا امام اسوقت تک موجود ہے - جو شاہ خلیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - اور خاص اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے ہے وہ شہر قم کے پاس مقام کہک میں رہتا ہے - اور اس سے اکثر کرامات و خوارق عادات بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں - ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ ہندوستان کے اسماعیلی یعنی بوہرے بھی اکثر اوسکی زیارت و بیعت کو وہاں پہونچا کرتے ہیں -

شام کے اسماعیلی فی الحال تین فرقوں پر بٹے ہوئے ہیں - سویدانی خضروی اور دروز سب سے زیادہ جماعت تو دروزی کی ہے جنہوں نے حسن بن صباح کے اصول کو چھوڑ کے ایک نیا مذہب بنا لیا ہے - اس مذہب کی ابتدا یون ہوئی کہ گیارہوین صدی عیسوی مین خلفائے بنی فاطمہ مصر مین سے الحاکم بامر اللہ نے جب پرانے خیال کے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم کر کے تمام مخالف قوتین توڑ دین - تو اُس کے اشارے یا اوسکی ہیبت و جبروت نے خاص اوسکی نسبت ایک خیال پیدا کیا جس کا ظہور یون ہوا کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے دعوی کیا - کہ خلیفہ الحاکم

خداوند جل وعلا کا ایک مظہر کامل ہے۔ جس اصول سے خلیفہ کی ذات میں ایک شان الوہیت بتائی۔ اور اسے ایک پورا دیوتا ثابت کیا۔ یہ خوشامد آمیز عقیدت الحاکم کو ایسی پسند آئی۔ کہ اس کی تصدیق ہی نہیں کی۔ بلکہ حکومت کے زور سے اور لوگوں کو بھی اس عقیدے کا پتہ بتانے لگا۔ اور اس طریقے سے جو لوگ محمد بن اسمٰعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے۔ ان لوگوں نے دروز کا خطاب دیا۔

انگریزی مورخ مسٹر ڈبلیو۔ سی ٹیلر مصنف کتاب "ہسٹری آف محمڈنزم اینڈ اٹس سکٹس" "تاریخ اسلام و فرق اسلام" لکھتے ہیں کہ "دروز" کا لفظ عربی لفظ درز سے نکلا ہے جس کے معنی "مسرت" کے ہیں۔ ہمیں بدنصیبی سے درز کے یہ معنی کہیں نظر نہ آئے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شاید انہیں لفظ درز سے دھوکا ہوا۔ اسلئے کہ بےشک درز کے معنی عربی میں مسرت کے ہیں۔ شاید لکھنے والا ذال کا نقطہ بھول گیا اور وہ سمجھ گئے کہ درز کے یہ معنی ہیں۔ درز عربی میں کپڑے کو کہتے ہیں۔ اور جب اس کا استعمال انسانوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ تو درزی یا ذلیل طبقے کے لوگوں میں یہ عقیدہ رواج پذیر ہوا۔ لوگ انہیں درز کہنے لگے۔ مگر آخر اس نام کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ خود اس مذہب والوں نے بھی اپنے لئے یہ لقب تسلیم کر لیا۔ اگرچہ وہ اپنے لئے موحد کے لقب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے کہ کہتے ہیں توحید کو صرف ہمیں نے سمجھا ہے۔ اس مذہب کا سب سے بڑا داعی اور رواج دینے والا حمزہ بن علی نام ایک شخص تھا۔ جس کے خطوط تبلیغ کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہے۔ یہ مجموعہ کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے اور فرقہ دروز میں قرآن سے زیادہ مقبولیت وقعت رکھتا ہے۔ حمزہ نے فرقہ دروز کے لئے یہ اصول پیش کیا کہ محمد صلعم صرف قرآن کی تنزیل میں ظاہری ولغوی معنوں کو سمجھ سکے تھے۔ ان کے اصطلاحی اصلی اور مرادی معنی صرف

کہ بامر اللہ ہی سمجھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ حمزہ بڑا زبردست خطیب اور نہایت ہی فصیح شخص تھا۔ جس کی قوت سے اُس نے شام کے بہت لوگوں کو اپنا ہم خیال و ہم عقیدہ بنالیا۔

دروز کا واقعی یہ عجیب اعتقاد ہے کہ قرآن کی حقیقت اور اس کے بذریعہ وحی کے تو معتقد ہیں۔ مگر آنحضرت صلعم کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہ مذہب قوت پکڑ چکا تھا۔ کہ خلیفہ الحاکم اپنے جور و ظلم کے نتیجہ اور خود اپنی بہن ست الملک کی خفیہ سازش سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر مار ڈالا گیا۔ جہاں وہ وحی اور خدا کا پیغام لانے کے لئے جایا کرتا تھا۔ اسکی لاش چند روز تک مخفی رہی جس کے سبب سے اسکے معتقد یعنی دروز نے دعویٰ کیا کہ وہ زندہ جنت میں چلا گیا اور چند روز کے بعد آکے ابدی سلطنت کرے گا۔ دروز کے عقائد ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ظاہر ہوجائیں گے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے سردار حاکم رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ہمارے سردار حاکم عزّ اسمہٗ اسمٰعیل کے بیٹے تھے جو کہ علی ابن ابی طالب کی نسل سے تھے اور انکی والدہ بھی فاطمہ بنت محمدؐ بن عبداللہ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تھیں۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۱ سال چھ مہینے قیام کرکے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ روانگی (یا غیبت) سے پیشتر اُنہوں نے ایک مقدس فرمان لکھ کے مسجدوں میں لٹکوا دیا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ اگر انکی مرضی ہوئی تو جلد ہی روز بعد پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور ابدالآباد تک فرمان فرمائی کرتے رہیں گے۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے اُن کے دعویٰ توحید کو قبول کیا۔ اور نیز وہ جنہوں نے نافرمانی کی غرض تمام مذہبوں کے پیرو اس حکومت میں آویں گے زیر فرمان ہونگے۔ مخالفین یا بہ زنجیر کئے جاویں گے۔ سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اس امر کے

پابند کئے جائیں گے کہ مذہبی امتیاز کے لئے اپنا لباس پر کوئی خاص علامت بنا لیا کریں - تاکہ فوراً پہچان لئے جائیں - لیکن موحدین یعنی حاکم کے پیرو دین غیر منتہی زمانہ تک ہمیشہ حکمرانی کرتے رہیں گے - ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبداللہ (آنحضرت صلعم) کے بعد ایمان کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے - ان باتوں کے بعد آنحضرت صلعم بہت کچھ برے اور سست ناموں سے یاد کئے گئے ہیں -

جس فرمان کا ذکر اس تحریر میں ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ حاکم کے مارے جاتے ہی ایک تحریر مصر کی کسی مسجد میں آویزاں ملی جس کی پیشانی پر لکھا تھا - عقائد نامہ یعنی وہ عقائد جو حاکم نے پیروں کے لئے تجویز کئے تھے - یہ عقائد نامہ جو اس مذہب والوں میں فرمان کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے - فوراً دروزیوں میں پھیلا اور ان کے مذہب کا اصلی معتقد علیہ قرار پا گیا - حاکم نے اس عقائد نامہ میں پہلے اہل مصر پر اپنے احسان جتائے ہیں - سب کو جہالت کا الزام دیا ہے اور مایوسی ظاہر کی ہے کہ وہ اس قابل کبھی نہیں کہ ان پر رموز توحید آشکارا کئے جائیں - اور قرآن کے باطنی معنی ان کی سمجھ میں آئیں - دروز اس فرمان کی قرآن سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں - اور اس کے سامنے احکام قرآنی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے -

اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں میں یہ عجیب فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قریب قریب اسلامی شعار اور قومی قیدوں سے آزاد کر لیا ہے - نہ ختنہ کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں - شراب بے تکلف پیتے ہیں - اور گوشت کھانے میں بھی کسی قسم کا تامل نہیں کرتے - اور ازدواج و نکاح کی بہت سی رسموں اور قیدوں میں بھی شریعت اسلامیہ کا کچھ پاس و لحاظ نہیں رکھتے - یہی اسباب ہیں کہ مشہور عربی سیاح ابن بطوطہ اطراف شام میں غالباً انہیں لوگوں کو دیکھ کے حیرت میں آ گیا - وہ کہتا ہے کہ ان کی مسجدیں ویران پڑی ہیں جن میں کبھی کوئی [illegible]

نہیں دیتا اور اگر کوئی مسافر مسجد دیکھ کے ٹھیر جائے اور اذان دے تو اس سے کہتے ہیں۔ گدھے کی طرح کیوں شور کرتا ہے۔ چپ دانہ چارہ مل جائے گا۔

اُن کی مسجدیں عموماً پہاڑی کی چوٹیوں پر بنائی جاتی ہیں اور جیسا کہ ہمیں ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوا۔ آج بھی سب ویران پڑے ہیں۔ اور اس ویرانی کے ساتھ یہ قید ہے کہ سوائے خاص خاص لوگوں کے کوئی جانے نہیں پاتا۔ معبدوں یا مسجدوں کے اندر بچھڑے کی ایک صورت کپڑوں کی اوڑھال لپیٹی رکھی تھی۔ جو امام غائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اس کی نہایت ہی تعظیم کی جاتی ہے یہ صورت کبھی کسی کے سامنے نہیں کھولی جاتی اور اس کی زیارت کے صرف وہی لوگ مجاز سمجھے جاتے ہیں جو دین کی حیثیت سے کوئی بڑا مرتبہ رکھتے ہوں۔ اور نہایت ہی معزز ممتاز خیال کیے جاتے ہوں۔

کچھ اس صورت ہی پر منحصر نہیں اُن میں ہر مذہبی رسم کے چھپانے کی سخت تاکید ہے مقدس کتاب درور یا اس صندوق کی نسبت بھی جس میں وہ رکھی ہو۔ بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ بجز مقدس ترین قوم لوگوں کے اور کسی کے گھر میں وہ نہیں رہ سکتی اور نہ اس کی اجازت ہے کہ جس متبرک گھر میں ہو اس سے نکال کے کہیں اور لے جائی جائے۔ عقیدے عامہ یا فضا۔ ان کے مذہبی رواج یا خیالات کے مطابق صفائی قلب اور خلوص نیت کی دلیل ہے۔

ان کے مذہبی رسموں کی نسبت جو غیروں سے چھپا کے اور نہایت رازداری کے ساتھ عمل میں آتی ہیں۔ لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں ہیں جو قومیں ان کے آس پاس اور گرد و جوار میں رہتی ہیں۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ دروز لوگ ان صحبتوں میں باہم بیٹھ کے سخت بے شرمی کے گناہ اور نہایت ہی معیوب زناکاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور انگریزی محققین کو پتہ لگانے سے جو کچھ رائے قائم کرنے کا موقع ملا۔ وہ یہی ہے

یہ الزام صحیح معلوم ہوتے ہیں اور کچھ کہا جاتا ہے اصلیت سے خالی نہیں۔

اگرچہ یہ لوگ دولت عثمانیہ کی قلمرو میں رہتے ہیں۔ مگر جنگل پہاڑوں اور اپنے مسکنوں میں کسی غیر کے مطیع و فرمانبردار نہیں۔ ایک معمولی خراج سلطنت کو ادا کر کے آزادی کا دم بھرتے ہیں۔ اور اکثر ادنیٰ ادنیٰ موقعوں پر بلوہ اور بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ انہیں ایک قسم کی شخصی حکومت ہے۔ مختلف سردار اور امیر ہیں جن میں ہی باہم لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہ سردار بھی صرف اسی وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے سلطنت کو خراج دیا جاتا ہے ورنہ دراصل اس کی کچھ نہیں چلتی۔

دروز کی عورتیں بھی مذہبی رازداری کی رسموں میں شریک ہوتی ہیں۔ مگر معاشرت اور تمدنی زندگی میں ان کی کچھ وقعت نہیں۔ شوہر جب چاہے طلاق دے دے عورت کچھ نہیں کر سکتی۔ اس رواج کو یہاں تک ترقی ہو گئی کہ کوئی عورت شوہر سے باہر جانے کی اجازت مانگے اور شوہر اجازت دیتے وقت "جاؤ" کے ساتھ یہ لفظ بھی نہ کہہ دے کہ "اور واپس آؤ" تو زوجہ طلاق بائن عائد ہو جاتی ہے۔ اور وہ جب تک کسی دوسرے کے نکاح میں جا کے طلاق نہ حاصل کرے اسکی بیوی نہیں بن سکتی۔

بچوں کو پڑھنے لکھنے کی بہت کم تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر ابتدائے عمر ہی سے بوڑھوں کے مشورے میں شریک ہو کے صاحب الرائے لوگوں میں اٹھ بیٹھ کے اور پولیٹیکل اور فوجی مشورے سن سن کے بڑے ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ کسی اجنبی شخص کو یہ تماشہ دیکھ کے حیرت ہو جائے گی کہ دروز کے دس بارہ برس کے لڑکے شام اور ظہر پولیٹیکل معاملات صلح و جنگ کے احتمالات کی فوجی لیاقت و قوت اور آنکی انصاف پروری و ناانصافی پر بیٹھے بڑی آزادی سے رائے زنی کرتے ہیں۔ اور مشورے کی

صحبتون مین چھوٹے بڑے و ادنی و اعلی کا امتیاز نہین ہے -

ان باتون کے ساتھ ان لوگون مین بے تکلفی اور سادہ مزاجی بھی انتہا درجہ کی ہے - قوم کا بڑے سے بڑا سردار ایک ادنی کسان کو بھی دسترخوان پر ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے نہین ہچکچاتا - اور یہی سبب ہے - کہ اونھین مہمانداری کا بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی جوش ہے - ایسے موقعہ پر وہ جیسی جیسی ضیافتیان دکھاتے ہین بے مثل و حیرت خیز ہین اور سب لوگ معترف ہین کہ غریب الوطن کی خدمت کرنے مین کوئی ان کی ہمسری کا دعوی نہین کرسکتا یہ بات اونھین کے ساتھ مخصوص ہے کہ اپنا کھانا مسافرون کو دیدین اور خود بھوکے رہ جائین -

دروز کو یورپ والون سے خاص عناد ہے اور ان سفید چہرے والون کے انتہا زیادہ دشمن ہین - ایک انگریزی سیاح کا بیان ہے - کہ اون مین پیشین گوئی کے طریقے سے کوئی روایت مشہور ہے - کہ کوئی مغربی قوم اونکی آزادی کو غارت کرے گی اور انکے آرام و آسائش مین فرق ڈال دے گی - اس روایت نے اونھین مغربی مسیحون کی طرف سے یہان تک بدظن کر دیا ہے - کہ بات بات پر توہین کرتے ہین اور کوئی کسی کو خفا ہو کے گالی دینا چاہتا ہے تو کہتا ہے - کہ "خدا تجھے ہیٹ پہنائے"

ان لوگون کے خیالات بالکل مخفی اور پوشیدہ ہین - یہ چند باتین بھی بڑی مشکل سے معلوم ہو سکین وہ اپنے تمام اخلاقی اور مذہبی امور کو اس قدر پوشیدہ رکھتے ہین - کہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کوئی سیاح اونکے حالات کو نہین بیان کرسکتا - خود عثمانی سلطنت باوجود فرمان فرمائی کرنے کے اُن کے قومی خصائص اور معاشرت سے بالکل ناواقف ہے -

سترھوین صدی عیسوی کی ابتدا مین جسے کچھ کم سو برس کا زمانہ ہوا یورپ والون کو ارض شام کے پہاڑون مین اس بہادر و خود سر قوم اور اس کے مذہب کا پتہ لگا - یورپ

مین یکایک مشہور ہوا۔ کہ یہ لوگ محمد صلعم کے دین مین نہین شامل ہین۔ جس سے فوراً یقین کر لیا گیا مسلمان نہین ہین تو خواہ مخواہ عیسائی ہون گے یورپ کے عیسائی جو دولت عثمانیہ کی دشمنی و عداوت پر بڑے جوش و خروش سے آمادہ رہتے ہین۔ اور فتنہ پردازی کے موقع ڈھونڈتے رہتے ہین۔ فوراً اسبات پر مستعد ہو گئے کہ جس طرح جناب معاویہ نے باوجود ناجائز ہونے کے ملکی ضرورت سے زیاد کو اپنے نسب مین شریک کر لیا تھا۔ اُسی طرح اُن لوگون کو اپنا مذہبی بھائی بنا کے ترکون کے قلمرو مین مخالفت اور جھگڑون کی آگ بھڑکائین۔ یورپ مین اس خیال کا پھیلنا تھا کہ مسیحیت کی ہر ادا ان لوگون مین ڈھونڈھی جانے لگی۔ لغت کی کتابین کھُل گئین اور دروز یورپ کے نامون اور لفظون مین ڈھونڈھا جانے لگا۔ ایک صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کونسنٹ آف درو کے پیرو ہین اور بغیر تاریخی شہادت بہم پہونچائے فرض کر لیا گیا کہ اس نام کا کوئی کونٹ پہلے صلیبی مجاہدون کے ساتھ ارض مقدس مین آ کے ٹھہر گیا تھا۔ ایک اور صاحب نے گلفشانی کی کہ دروز لوگ نارمن لوگون کی نسل سے ہین۔ جو پہلے جرمن مین آباد تھے۔

اسی طرح اور بھی مختلف رائین قائم کی گئین خلاصہ یہ کہ اسی قسم کی غلطیان ہونا شروع ہوئین جو ایک عرصہ دراز تک اہل یورپ کو خوش کرتی رہین۔ مگر مدت کے بعد یکایک معلوم ہوا کہ دروز کو عیسائیون سے کوئی تعلق نہین۔ اور اصل مین یہ مسلمانون ہی کا ایک بگڑا ہوا سرکش فرقہ ہے اور سارے مسلمانون سے زیادہ عیسائیون کا دشمن ہے۔

ہم نے دروز کے حالات کو اس موقع پر زیادہ طول دے دیا۔ اور غالباً بعض لوگ اعتراض بھی کرین گے۔ کہ حسن بن صباح کے حالات مین ایک غیر متعلق بحث کو [illegible] دینے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانون کو

دروز کا حال ابھی چند ہی روز ہوئے معلوم ہوا ہے - اور لوگ اُن کے حالات دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہیں - لہذا ان کا تذکرہ ضرورتوں کے لحاظ سے چاہے بےموقع ہو مگر اُمید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا -

دروز کے حالات سے لوگ اندازہ کر سکے ہونگے - کہ خلفائے بنی فاطمہ مصر کے تعلق کے لحاظ سے چاہے - ان کو بھی اسماعیلیوں کا ایک فرقہ کہدیا جائے - مگر اس مذہب اور اس اُصول و عقائد کے بانیوں نے آزادی کو یہاں تک دخل دے دیا کہ دراصل وہ ایک حد تک اسلام سے خارج ہو گئے ہیں - منصوصات سے انکار کرنا خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لینا - اور سب پر غضب یہ آنجناب رسول خدا صلعم پر طعن و تشنیع کر کے زبان کو ناپاک کرنا ایسی باتیں نہیں کہ اسلام کا کوئی مفتی بھی اُن کے حق میں کفر کا فتویٰ دینے اور اسلام سے خارج کرنے میں ذرا بھی تامل کرے

مگر باطنیوں کے اصلی جانشین اور حقیقی پیرو نصیری سویدانی و خضروی ہیں یہ دونوں حضرت علی میں ایک شان الوہیت تسلیم کرتے ہیں - ارکان مذہب کی طرف سے وہ بھی اسقدر بے پرواہ ہیں کہ مسجدیں بنواتے ہی نہیں - سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ حضرت علی کی قبر کی زیارت کے لئے نجف اشرف میں جاتے جو عراق عرب میں شہر بغداد سے چار پانچ دن کی راہ پر ہے - اور جسے ان اسماعیلیوں نے اپنی سب سے بڑی زیارت گاہ بنا لیا - مکہ معظمہ کے قریب کسی اور مزار کی زیارت کو بھی جاتے ہیں مگر اس طرح چھپ چھپ کر کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائے - کہ کہاں اور کس جگہ اور کس کی قبر ہے -

خضرلیوں کا شمار سویدانیوں سے بہت زیادہ ہے - انکا مستقر قدیم شہر مسیاہ ہے جہاں باطنیوں کا پرانا قلعہ تھا - یہ شہر شہر حماہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے - خضرلیوں کا امیر بھی مسیاہ میں رہتا تھا - اور یہیں وہ جا کر مرا اور اس سے اُنہیں کا پتہ لگا ہے

رعایتی قیمت کی فہرست

ہمنے خریداران کے بیحد اصرار پر ناول و ڈراما چہارم قیمت پر فروخت کرنا شروع کردیا ہے معزز ناظرین اس موقع سے فائدہ اٹھادیں۔

نام کتاب	اصلی قیمت	رعایتی قیمت	نام کتاب	اصلی قیمت	رعایتی قیمت
پریچھم حصہ اول	۱۲ر	۳ر	فردوس بریں	عہ۴ر	۵ر
پریچھم حصہ دوم	۱۲ر	۳ر	چھپا عرفت روشنی	۱۲ر	۳ر
سونیکی چڑیا حصہ اول	۱۲ر	۳ر	شہید ناز	۱۲ر	۳ر
سونیکی چڑیا حصہ دوم	۸ر	۲ر	لال کپتان	عہ۴ر	۵
انوکھی معشوقہ	۱۲ر	۳ر	وفائے خانصاحب	عہ۴ر	۵
تاثیر الفت	۱۲ر	۳ر	کنیز فاطمہ	عہ۸ر	۶ر
بدر النسا اور اسکی مصیبت	۸ر	۲ر	فسانہ پدماوتی	عہ	۴
شیدا حسینہ	۸ر	۲ر	چند پند	۶ر	۱
جذبہ الفت	۸ر	۲ر	لالہ رخ	۱۲ر	[illegible]
نوابی دربار	۱۲ر	۳ر	کوکلا کماری	۸ر	[illegible]
ملک العزیز ورجنا	عہ۸ر	۶ر	بندوق باز بابو	۴ر	[illegible]

ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ

لالہ کنھیالال اینڈ سنس تاجران کتب جوہری بازار آگرہ